ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

10
اکتوبر ۲۰۱۵ء
ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ

نظریے سے انحراف کا نتیجہ

قرار داد مقاصد وہ اہم دستاویز ہے جو 7 / مارچ 1949ء کو شہید ملت لیاقت علی خان کی تحریک پر پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے منظور کی۔ اس کی رو سے ہماری مستقبل کی آئین سازی کے لیے اسلامی اور جمہوری جہت کا اعلان کیا گیا۔ یہ قرارداد بانیانِ پاکستان کی طرف سے اس امر کا واضح اعلان ہے کہ پاکستان کے آئین میں جمہوریت، شخصی آزادی، مساوات، سماجی انصاف اور مذہبی رواداری کے اسلامی اصول کار فرما ہوں گے اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل کیا جائے گا، جس میں مسلمان قرآن وسنت کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں ڈھال سکیں گے اور اقلیتوں کو مکمّل تحفّظات میسر ہوں گے۔ میری گزارش یہ ہے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر ہمیں اس حقیقت کا ادارک کر لینا چاہیے کہ تحریک پاکستان کے واضح نظریے اور قرارداد مقاصد کے تاریخی اعلان کے برعکس جو بھی اقدامات کیے جائیں گے وہ پاکستان کو کمزور کرنے کا باعث بنیں گے۔ اگر اُمت مسلمہ کی وحدت کی نفی کرتے ہوئے پاکستان میں مختلف قومیتوں کا پرچار کیا جائے گا یا شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ میں کوتاہی کی جائے گی اور اسلامی اصولوں کو عملی طور پر بروئے کار لانے اور اسلامی فلاحی معاشرے کے قیام میں عمداً تاخیر کی جائے گی تو پاکستان کے مستقبل اور استحکام کے بارے میں خدشات اور خطرات میں اضافہ ہوگا۔ بہ الفاظ دیگر نظریے سے انحراف پاکستان کی کمزوری کا باعث بنے گا۔

(جسٹس انوار الحق بحوالہ: ندائے خلافت، لاہور، مطبوعہ ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی، جلد نمبر 38، شمارہ نمبر 38)

- سانحۂ بڈھ بیر......ضربِ عضب کے مابعد
- دینی مدارس اور تازہ صورتحال!
- شیعہ سنی تصادم روکنے کی ضرورت اور تقاضے
- کربلاء میں مرکبِ حسین رضی اللہ عنہ
- کیا عیسیٰ بن مریم دو ہیں؟
- جاوید احمد غامدی......مرزا قادیانی کا وکیل صفائی

توحید و ختمِ نبوت کے علمبردارو ایک ہو جاؤ (سید ابوذر بخاری)

38 ویں سالانہ

ختمِ نبوت کانفرنس

12 ربیع الاوّل 1437ھ • جامع مسجد احرار چناب نگر ضلع چنیوٹ

زیرِ سرپرستی

ابنِ امیرِ شریعت
حضرت پیر جی
سیّد عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مہمانِ خصوصی

حضرت مولانا
صاحبزادہ
عزیز احمد دامت برکاتہم
نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
خانقاہ سراجیہ کندیاں

پروگرام

- بعد نماز فجر درسِ قرآن کریم
- صبح دس بجے تا ظہر جملہ مکاتب فکر کے سرکردہ رہنماء، تحریک ختم نبوت کے قائدین، علماء، خطباء، زعماء احرار، وکلاء، صحافی، دانشور اور طالب علم رہنما عقیدۂ ختم نبوت، حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، عصمت انبیاء، قادیانی جماعت کی بڑھتی ہوئی ارتدادی سرگرمیاں، تاریخ احرار اور محاسبۂ قادیانیت جیسے اہم موضوعات پر خطاب کریں گے۔

جلوس دعوتِ اسلام حسب سابق بعد نماز ظہر قادیانیوں کو دعوتِ اسلام کا فریضہ دہرانے کے لیے فرزندانِ اسلام، مجاہدین ختم نبوت اور سرخ پوشانِ احرار کا عظیم الشان جلوس مسجد احرار سے روانہ ہوگا، دورانِ جلوس مختلف مقامات پر زعماء احرار خطاب فرمائیں گے۔

حضرت امیر شریعت سے منسوب خطبہ انٹرنیٹ پر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ایک عربی خطبہ چل رہا ہے۔ یہ صریحاً جھوٹ ہے۔ نہ امیر شریعت کی آواز ہے اور نہ الفاظ۔ حضرت کی آواز میں ۱۹۵۶ء کی ایک تقریر کا اقتباس ہمارے ہاں دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ حضرت امیر شریعت کی آواز سے منسوب تمام تقاریر جعلی ہیں۔

منجانب: شعبہ تبلیغ تحفظِ ختمِ نبوت مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

چناب نگر: 0301-3138803 گجرات: 0301-6221750
ملتان: 061-4511961 چیچہ وطنی: 040-5482253
لاہور: 042-35912644 تلہ گنگ: 0300-5780390

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 26 شمارہ 10 ذوالحج 1436ھ — اکتوبر 2015ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

فیضانِ نظر
حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی
ابن امیر شریعت حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری
kafeel.bukhari@gmail.com

رفقائے فکر
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس
سید صبیح الحسن ہمدانی
sabeeh.hamdani@gmail.com
سید عطاء المنان بخاری
[redacted]
محمد نعمان سنجرانی
nomansanjrani@gmail.com

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد 0300-7345095

تشکیل

دل کی بات:	سانحہ بڈھ بیر...... ضرب عضب کے مابعد	صبیح ہمدانی	2
شذرات:	دینی مدارس اور تازہ صورتحال!	عبداللطیف خالد چیمہ	4
	نفاذ اردو کا تاریخی عدالتی فیصلہ		
	بڑے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ		
	مولانا مفتی عبدالمعید کی رحلت		
افکار:	یوم ختم نبوت کی غیر معمولی پذیرائی!	عبداللطیف خالد چیمہ	7
//	شیعہ سنی تصادم روکنے کی ضرورت اور تقاضے	مولانا زاہد الراشدی	11
//	قصہ جمہوریت کے علمبرداروں کا	پروفیسر خالد شبیر احمد	14
دین و دانش:	معرکۂ حق و باطل میں اپنی جان بچالینا منافقت کا انتہائی درجہ ہے	امیر المومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ	21
//	حیات الاموات، نظریہ اسلام، اکابر علماء اسلام	پروفیسر محمد حمزہ نعیم	23
تاریخ و تحقیق:	جنگ یمامہ	شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ	30
//	کربلاء میں مرکب حسین رضی اللہ عنہ	ابومروان معاویہ واجد علی ہاشمی	35
//	آغا شورش کاشمیری پر تحقیق مزید	خالد ہمایوں	41
یادِ رفتگان:	اک چراغ اور بجھا (مولانا عبدالخالق چوہان رحمۃ اللہ علیہ)	مولوی ابومعاویہ محمد نصیر اللہ رحمانی	43
مطالعہ:	کیا عیسیٰ بن مریم دو ہیں؟	حافظ عبیداللہ	45
قادیانیت:	جاوید احمد غامدی...... مرزا قادیانی کا وکیل صفائی	مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ	54
//	گجرات کی ۲۰۰ برس قدیم مسجد ہتھیانے میں قادیانی ناکام	منصور اصغر راجہ	61

[redacted]

زرِ تعاون سالانہ
اندرون ملک — 200/- روپے
بیرون ملک — 4000/- روپے
فی شمارہ — 20/- روپے

ترسیل زر بنام: ماہنامہ نقیب ختم نبوت
بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100
بینک کوڈ 0278 یو بی ایل ایم اے جناح روڈ ملتان

رابطہ
دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com
☎061-4511961

تحریک تحفظ ختم نبوۃ شعبۂ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان

مقام اشاعت: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

صبیح ہمدانی

سانحۂ بڈھ بیر......ضربِ عضب کے مابعد

آپریشن ضربِ عضب پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم اور غیر معمولی اقدام تھا۔ پوری دنیا کے اہلِ فکر و اہتمام کی نظریں اس جانب لگی ہوئی تھیں۔ سیاسی جماعتوں نے عسکری اداروں کو اپنی عدالتیں لگانے سمیت جو غیر معمولی اختیارات دیے، اس میں اُن کے خیال میں ہدف صرف اہلِ دین کو ہی بننا تھا۔ لیکن مولویوں کو ہدف بنا کر چلایا جانے والا یہ میزائل واپس سیاسی جماعتوں پر آ گرا۔ اس تناظر میں کراچی کی دونوں بڑی جماعتوں ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی کی آہ و بکا دیدنی ہے۔

اگرچہ دینی نظریات رکھنے والے طبقات اس آپریشن کا اولین نشانہ ہیں، لیکن 'پاک را از حساب چہ باک' کے مصداق وہ خود کو امن و امان قائم کرنے کی ہر سنجیدہ کوشش کا حامی سمجھتے ہوئے روزِ اوّل سے اپنے اداروں کو تحقیقات کے لیے پیش کیے کھڑے ہیں۔ مگر حکمت عملی بنانے والے بقراط ہیں جو اہلِ دین سے اپنی اندرونی عداوتوں کا اظہار کرنے کی کوئی مناسبت ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ یہ تأثر دیا گیا گویا دہشت گردی کے دیو کی جان مدارس دینیہ میں موجود کسی طوطے میں ہے۔ پنجاب میں مدارس اسلامیہ کے خلاف غیر اعلانیہ آپریشن ہوا۔ صوبہ بھر کے سترہ ہزار مدارس میں اچانک گھس کر ریپڈ ایکشن کی شوخیاں مارتے ہوئے سرچ آپریشن کیا گیا۔ لیکن مرا ہوا چوہا بھی ہاتھ نہ لگا۔ پچیس افراد، اور چار بندوقیں پورے صوبے کے پورے ایکشن کا حاصل تھا۔ بندوقیں بعد میں لائسنسی نکلیں اور افراد بے گناہ، جس پر اُنھیں رہا کر دیا گیا۔ آج کے اخبار کے مطابق حکومت مدارس پر ایک اور آپریشن کرنا چاہتی ہے۔

حکومتی اداروں کے پاس موقع تھا کہ وہ اسلام کے پاک جہادی نظریات کا استحصال کرتے ہوئے بچوں، عورتوں اور نمازیوں کو ناحق موت کے گھاٹ اتارنے والوں کو شکست سے دوچار کریں۔

مگر ہو یہ رہا ہے کہ سپہ سالارِ افواج کی شخصی تمجید و تعظیم اس نوبت تک پہنچ چکی ہے کہ ان کی تصویروں کو سیاسی پوسٹروں سے لے کر بنیانوں کے لفافوں تک پر چھاپا جا رہا ہے۔ مدارس کے خلاف حکومتی ادارہ جاتی افعال پروپیگنڈے سے بڑھ کر منافقانہ مخاصمت تک جا پہنچے ہیں۔ شیوخ الحدیث، اہلِ افتاء اور مہتممین کو دو ٹکے کے پولیس ملازمین کے ذریعے ہراساں کرایا جا رہا ہے۔ خصوصاً مدارس کو اپنے مستحق طلبا کے قیام و طعام کا انتظام کرنے سے روکنے کے لیے قربانی کی کھالیں اکٹھی کرنے میں رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ آئے روز ایک نیا ادارہ مدارس کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے پر مامور ہوتا ہے اور لایعنی سوالات سے لے کر بہنوں بیٹیوں کے فون نمبر پوچھنے کی حد تک توہین آمیز معلومات طلب کرنے آ دھمکتا ہے۔ ان عید کی چھٹیوں میں یکے بعد دیگرے تین مختلف اداروں کے کارندوں کا سامنا کر کے اُنکی مطلوبہ معلومات فراہم کرنا پڑیں، جو ایک بات اُن میں مشترک تھی وہ اُن کی اعلی تعلیم تھی کہ تینوں حضرات میرا نام لکھ نہیں پا رہے تھے، میں نے لکھ کر دیا۔

عسکری امور کے بارے میں تو اس شعبے کے ماہرین ہی کچھ کہہ سکتے ہیں، ہم نے تو یہ دیکھا کہ آپریشن ضربِ عضب کے ابتدائی ہفتوں میں جو دعوے کیے گئے تھے آج تقریباً ڈیڑھ برس گزر جانے کے بعد بھی اُن میں یک سرِ مُو فرق نہیں آیا۔ وہی دہشت گردوں کی کمر توڑ دی گئی ہے، ۹۰ فیصد علاقہ کلیئر کرالیا گیا ہے، آخری دہشت گرد کے خاتمے تک جنگ جاری رہے گی وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ ۱۸ ستمبر ۲۰۱۵ء کو بڈھ بیر، پشاور میں واقع پاک فضائیہ کے رہائشی کیمپ پر جمعے کے مبارک دن بزدل شر پسندوں نے نمازِ فجر میں اللہ کے حضور کھڑے فوجی و سول مسلمانوں پر حملہ کیا جس میں اٹھائیس مسلمان جاں بحق ہوئے۔ شہید ہونے والوں میں مسجد کے پیش امام بھی تھے جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی کے فارغ التحصیل مولوی اور عالمِ دین تھے۔ اس صورت حال میں حکومتی اداروں کی حکمت عملی پر سوالات اُٹھنے شروع ہوئے، جس کی ناکامی اور نارسائی کو ہر ذی ہوش محسوس کر رہا تھا۔ ہم ابھی وہ سوالات اپنے قارئین کے سامنے نہیں رکھنا چاہتے، کیونکہ چند مہینوں کی بات ہے اور ذرا رُت بدلنے کی دیر ہے کہ غلط بنیادوں پر اُستوار حکومتی ادارہ جاتی حکمت عملی کی ناکامیابی کی داستانیں پاک وطن کے بچے بچے کی زبان پر ہوں گی۔

یہاں ہم علما اور مدارس سے وابستہ اہلِ ایمان کو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کی دینی حمیت اور وابستگی لائق تشکّر ہے۔ آپ نے دینِ متین کی غربت کے احوال میں اس کی نصرت کی، اس کا اجر اللہ ہی کے پاس ہے۔ حالات کبھی ایک سے نہیں رہتے۔ ہوسکتا ہے کہ دشمنانِ دین ابھی آپ کی ناقدری و تذلیل میں کچھ مزید زور آزمائی کریں، لیکن ان کے اختیار کردہ راستے ناکامی و رسوائی کے ہیں اور ان کے افعال انھیں تباہی کی منزل تک تیزی سے پہنچانے میں ان کے مددگار۔ ان کے سب عزائم خاک میں ملنے والے ہیں اور ان کے منصوبے ہوا میں اڑنے والے۔ اور اس سب کے آثار ہر ہر چیز سے ہویدا۔ پاک ہے وہ رب جس نے ہماری مختصر زندگی میں ہی ہمیں اپنی عظمت و جبروت کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لینے کی سعادت بخشی۔

جدوں ظاہر ہوئے نُور ہوری
جل گئے پہاڑ کوہِ طور ہوری
تدوں دار چڑھے منصور ہوری
اتھے شوخی پیش نہ ویندی اے
مُونھ آئی بات نہ رہندی اے
جھوٹھ آکھاں تے کجھ بچدا اے
سچ آکھیاں بھانبھڑ مچدا اے

عبداللطیف خالد چیمہ

دینی مدارس اور تازہ صورتحال!

۷؍ستمبر ۲۰۱۵ء، پیر کو وزیر اعظم ہاؤس اسلام آباد میں تنظیمات مدارس دینیہ اور ملک کی حکومتی و عسکری قیادت کا جو باہمی مشاورتی اجلاس منعقد ہوا، اس سے اُمید پیدا ہوئی کہ مقتدر حلقوں اور دینی مدارس کی قیادت کے مل بیٹھنے سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا اور ایک دوسرے کے مؤقف کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اجلاس کے بعد پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں جو کچھ سامنے آیا، اُس حوالے سے مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کی بروقت وضاحت نے بعض غلط فہمیوں اور غلط رپورٹنگ کی نشاندہی کر کے صورتحال واضح کر دی۔ ہم ہر قسم کی دہشت گردی کے مخالف ہیں اور دینی مدارس پر کسی مناسب اور موزوں انداز میں نگرانی رکھنے کے بھی مخالف نہیں، لیکن پورے ملک اور خصوصاً پنجاب میں جس طرح سے خوف کی فضا پیدا کی گئی یہ کسی اعتبار سے قابلِ برداشت نہیں۔ ہمیں اُمید تھی کہ وزیر اعظم میاں نواز شریف، سپہ سالار جنرل راحیل شریف، وزیر داخلہ اور دیگر سرکاری عہدے داران کے ساتھ تنظیمات مدارس دینیہ کی قیادت کی خوشگوار ملاقات اچھے اور مثبت نتائج مرتب کرے گی اور پوری قوم باہمی اعتماد کے ساتھ اندرونی اور بیرونی جارحیت کے خلاف یکجا نظر آئے گی۔ لیکن بعد ازاں کی یہ صورتحال ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ عیدالاضحیٰ سے چند روز پیشتر پنجاب کے مختلف اضلاع میں انتہائی نامناسب انداز میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ دینی مدارس متعلقہ ضلع کے ڈی سی او سے این او سی لے کر چرمِ قربانی حاصل کرنے کے محدود مراکز قائم کر سکیں گے۔ لیکن ہوا یوں کہ کچھ مدارس کو این او سی جاری کر دیئے گئے اور کچھ کو بغیر کوئی اعتراض لگائے اور بغیر وجہ بتائے ریجکٹ کر دیا گیا، یہ عمل مکمل ہونے تک چھٹیاں ہوگئیں اور عید سر پر آ گئی۔ ہماری دانست میں کالعدم تنظیموں کو چرمِ قربانی وصول کرنے سے روکنے کا عمل جائز ہوسکتا ہے، مگر جو مدارس اور دینی ادارے پرامن طور پر کام کر رہے ہیں، اپنے وفاق سے ملحق اور رجسٹرڈ ہیں ان پر کسی قسم کا کوئی الزام بھی نہیں ہے اور چند ہفتے پہلے کے سرچ آپریشن میں جن سے کسی قسم کا کوئی غیر قانونی مواد یا فرد برآمد نہیں ہوا ان کو چرمِ قربانی وصول کرنے سے روکنے کا عمل نہ صرف نامناسب ہے بلکہ ناانصافی اور خلاف آئین بھی ہے اس طرح سے پرامن تعلیمی و دینی اداروں کو عوامی تعاون حاصل کرنے سے روکنا دنیا کے کسی قانون میں کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ اس ناانصافی اور قانون کے غلط استعمال سے مختلف قسم کی غلط فہمیوں کا پیدا ہونا فطری عمل ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے والے حکومت کی پالیسیوں اور قومی ایکشن پلان کو ناکامی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر حضرت مولانا سلیم اللہ خان اور سیکرٹری جنرل مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے اس بابت کہا ہے کہ ”دینی مدارس کے کھالیں جمع کرنے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوششیں افسوس ناک اور قابل مذمت ہیں، ضلعی انتظامیہ اور پولیس پر حکومتی ذمہ داران کی رٹ نہ ہونا حیرت انگیز ہے، مدارس رفاہی اور تعلیم ادارے ہیں ان کو عوام الناس سے کھالوں کی شکل میں تعاون لینے سے روکنا آئین پاکستان کے منافی اور بنیادی انسانی حقوق کی خلاف

ورزی ہے، صرف ایک مکتبِ فکر کے مدارس کے لیے ناروا پابندیاں اشتعال کا باعث بن رہی ہیں، اربابِ اقتدار بیورو کریسی کے طرزِ عمل کی اصلاح کریں، انہوں نے کہا کہ دینی مدارس تعلیمی اور رفاحی ادارے ہیں جو بڑی مشکل سے عوامی چندوں، عطیات اور زکوٰۃ، صدقات سے اپنے اخراجات پورے کرتے ہیں، عیدالفطر کے موقع پر صدقۂ فطر اور عیدقربان کے موقع پر قربانی کی کھالیں جمع کرنے کی روایت مدتوں سے چلی آرہی ہے۔ اس پر پابندی عائد کرنا، اسے ڈی سی او کی اجازت سے مشروط کرنا اور مختلف انداز سے مدارس کو تنگ کرنا آئین پاکستان کے منافی ہے۔ پاکستانی قوم جب مدارس کو قربانی کی کھالوں کا اولین مستحق سمجھتی ہے تو قوم کو اس حق کے استعمال کی پوری آزادی ہونی چاہیے اور مدارس کے راستے میں مختلف حیلے بہانوں سے روڑے اٹکانا افسوس ناک اور قابلِ مذمت ہے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے قائدین نے کہا کہ پنجاب کے مختلف اضلاع میں صرف ایک مکتبِ فکر کے مدارس کو کھالیں جمع کرنے سے روکنا امتیازی سلوک ہے جو ملکی سطح پر حکومت کی بدنامی اور اشتعال کا باعث بن رہا ہے۔ وفاق المدارس کے قائدین نے اعلیٰ حکومتی احکام سے مطالبہ کیا کہ بیوروکریسی کے طرزِ عمل کی اصلاح کی جائے انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری اور دیگر اہم شخصیات کی طرف سے مدارس کی قیادت سے کیے جانے والے وعدوں پر عملدرآمد کو روکنے کے لیے مختلف اضلاع کے ڈی سی اوز، ڈی پی اوز اور مختلف تھانوں کے ایس ایچ اوز کے طرزِ عمل سے لگتا ہے کہ اپنے کئی علاقوں اور تھانوں پر حکومتی رٹ قائم نہیں کی جاسکی ہے جو حیرت انگیز ہے اس صورتحال کا خاتمہ ضروری ہے۔ (روزنامہ اسلام لاہور، ۲۴؍ستمبر ۲۰۱۵ء)

ہمیں بے حد افسوس ہے کہ اس پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی قیادت کے مؤقف کو الیکٹرانک میڈیا اور اکثر قومی اخبارات نے نشر کرنے اور چھاپنے سے گریز کیا۔ یہ امتیازی سلوک بھی ہمیں اُسی عالمی استعماری پراپیگنڈے کی تابعداری کا پتہ دیتا ہے جو دینی قوتوں کے خلاف روبہ عمل ہے۔ ہم ان صفحات پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اصولی وقانونی مؤقف کی بھرپور تائید کرتے ہیں اور اربابِ اختیار کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امن اور بدامنی کو خلط ملط نہ کریں نیز ایسے اقدامات سے احتراز کیا جائے جس سے اسلام اور وطن عزیز سے محبت رکھنے والوں کے دل دکھیں۔

نفاذ اردو کا تاریخی عدالتی فیصلہ:

۸؍ستمبر ۲۰۱۵ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے ۳ ماہ کے اندر تمام سرکاری اداروں میں اردو کو بطور قومی زبان رائج کرنے کا فیصلہ صادر کیا۔ سابق چیف جسٹس، جسٹس جواد ایس خواجہ کی زیرِ صدارت جسٹس دوست محمد اور جسٹس فائز عیسیٰ پر مشتمل تین رکنی بنچ کے اس فیصلے پر تمام طبقات نے خوشی ومسرت کا اظہار کیا ہے، بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے ۱۹۴۸ء میں دوٹوک انداز میں واضح کیا تھا کہ ''پاکستان کی قومی زبان اردو ہوگی''۔ لیکن واحسرتا کہ لسانی استعماریت کے سامنے اردو ہمیشہ بے بس رہی۔ ۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۲۵۱ پر عمل درآمد کے لیے سپریم کورٹ نے جو حکم جاری کیا ہے، اس میں درج تھا کہ ۱۵ سال کے اندر اندر، اردو کو ہر سطح پر دفتری زبان (تقریر وتحریر) کے طور پر رائج کیا جائے گا۔ لیکن ایسا نہ ہوسکنے کے محرکات بھی وہی ہیں جو آئین کو روبہ عمل نہ ہونے دینے کے لیے باقی معاملات میں ہیں، جس کی ذمہ داری براہ

راست سرکاری وانتظامی مشینری پر عائد ہوتی ہے۔ اب اگر اُردو کے قومی زبان کے طور پر اس فیصلے پر عمل درآمد میں حیل و حجت سے کام لیا گیا تو یہ آئین وعدالت عظمیٰ کے فیصلے کے ساتھ ساتھ قیام ملک کے مقصد سے بھی انحراف ہوگا۔

بڑے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ:

قائد احرار جانشین امیر شریعت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ہم سے رخصت ہوئے بیس سال (یوم وفات: ۲۳ر اکتوبر ۱۹۹۵ء) ہوگئے ہیں، چاروں فرزندان امیر شریعت ہمارے محسن ومُربی ہیں لیکن بڑے شاہ جی نے جس طرح ہمیں اپنے بچوں کی طرح سمجھایا بجھایا اور نظریاتی وفکری تربیت کی اس کی کوئی مثال نہیں۔ میں ابھی سکول میں پڑھتا تھا کہ سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھنا اُٹھنا شروع کیا، پھر یوں لگا جیسے انہوں نے خود مجھے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ جھوٹ سے نفرت اپنے نظریے اور فکر سے محبت، حرام وحلال کی تمیز اُن سے سیکھی، نہیں بلکہ انہوں نے خود ہی سکھائی، ذاتی واجتماعی زندگی کا ڈھب اور جماعتی زندگی میں توازن کے ساتھ آگے بڑھنا، صبر واستقامت کے دامن کو نہ چھوڑنا، اِسی کا درس وفا دیتے ہوئے وہ ہم سے جدا ہوگئے، شاہ جی خودداری، تواضع، علم وحلم، صبر واستقامت اور حسن و سادگی کا مرقع تھے، بقول بھائی محمد عباس نجمی مرحوم کہ ''ہماری تقریریں دراصل سید ابوذر بخاری کی تقریروں کی زکوٰۃ ہے''۔ وہ جو ٹیم تیار کر گئے، وہ قافلۂ سخت جاں کی طرح آج بھی ''احرار'' کے محاذ کو سنبھالے ہوئے ہے۔ بہت سوں نے سمجھا تھا کہ ''احرار بس ختم ہوگئے'' اب وہ اس وجہ سے پریشان ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکا،

شاہ جی کے ''یوم وفات'' پر ہم ان کی اس بات کو دہراتے ہیں کہ: ''دنیا میں اصل جنگ عقیدے کی ہے''۔ شاہ جی کی پیروی میں ہم عہد کرتے ہیں کہ اپنی جدوجہد کو توحید وختم نبوت اور اُسوۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی روشنی میں آگے بڑھائیں گے اور دنیا میں امن کے لیے الہامی وآسمانی تعلیمات کو پھیلاتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

مولانا مفتی عبدالمعید کی رحلت:

مولانا مفتی عبدالمعید ۴ر ستمبر کو انتقال کر گئے۔ مرحوم حضرت مفتی عبدالسمیع رحمہ اللہ کے فرزند اور حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (سرگودھوی) کے پوتے تھے۔ مرکزی جامع مسجد سرگودھا کے خطیب وامام تھے۔ ان کے دادا، حضرت مفتی محمد شفیع کا حضرت امیر شریعت کے ساتھ تعلق تھا جو مفتی عبدالمعید صاحب مرحوم کو ورثہ میں ملا، انھوں نے اس تعلق کو خوب نبھایا اور تمام عمر اس نسبت کا لحاظ رکھا۔ انتہائی مخلص اور تحفظ ختم نبوت کے مشن کے مبلغ اور مناد تھے۔ وہ مجلس احرار اسلام سرگودھا کے امیر تھے۔ ۱۲ر ربیع الاول کو چناب نگر مجلس احرار اسلام کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس اور جلوس دعوت اسلام میں ایک بڑے قافلے کے ساتھ ہمیشہ شریک ہوتے۔ ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کے چناب نگر میں قیام کے دوران اکثر وہاں تشریف لاتے اور خوب دعائیں لیتے۔ نہایت بے خدا ترس اور مخلص انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور دین کے لیے ان کی مساعی کو قبول فرمائیں۔ آمین

عبداللطیف خالد چیمہ

یوم ختم نبوت کی غیر معمولی پذیرائی!

تحریکِ ختم نبوت کے اولین شہید سیدنا حبیب ابنِ زید انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔جن کو مسیلمہ کذاب کی اسٹیبلشمنٹ نے پکڑلیا(گرفتار کرلیا) اور پوچھا کہ یہ بتائیں کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں؟'' کہا کہ ہاں! میں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہوں، کہا گیا کہ ''مسیلمہ پر بھی ایمان لے آؤ''، جواب میں فرمایا ''میرے کان تمہاری آواز سننے سے عاجز ہیں'' سمجھایا وہ نہ مانے تو مسیلمۂ کذاب کے پاس لے گئے، پھر بھی نہ مانے اور یہی فرماتے رہے کہ ''میرے کان تمہاری آواز سننے سے عاجز ہیں''۔ایک بازو، دوسرا بازو، ایک پاؤں پھر دوسرا پاؤں کاٹ دیا گیا مگر جب تک ان کی جان میں جان رہی وہ یہی فرماتے رہے کہ ''میرے کان تمہاری آواز سننے سے عاجز ہیں''۔

جناب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال مبارک کے بعد خلیفۂ بلا فصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فتنہ انکار ختم نبوت کے قلع قمع کے لئے جو لشکر روانہ فرمایا اس میں بارہ سو جید صحابہ کرام رضی اللہ عنھم شہید ہوئے اور مسیلمہ کذاب کا فتنہ اپنے انجام بد کو پہنچا۔یہ سلسلہ چلتا رہا اور ۱۹۵۳ء میں دس ہزار شہدائے ختم نبوت نے اپنے خون سے نئی تاریخ رقم کی۔ریاستی جبر کے بعد حکمرانوں نے سمجھا کہ تحریک تشدد سے کچل دی گئی ہے۔تب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم نے فرمایا ''میں اس تحریک کے ذریعے ایک ٹائم بم چھپا کر جا رہا ہوں جو اپنے وقت پر پھٹے گا''۔

دنیا نے دیکھا کہ ۲۹مئی ۱۹۷۴ء کو تحریک ختم نبوت چلی اور ۷ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دورِ اقتدار میں لاہوری و قادیانی مرزائیوں کو ملک کی ساتویں آئینی غیر مسلم اقلیت ڈیکلئر کر دیا گیا، ۷ستمبر ۱۹۷۴ء کے اس مبارک دن کو، آج سے مدتوں پہلے ہم نے یومِ ختم نبوت (یوم قرار داد اقلیت) کے طور پر منانے کے لئے شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام مکاتبِ فکر اس میں شامل ہوتے گئے

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اس بار ے ستمبر آنے سے پہلے ہی ہوم ورک شروع کر دیا گیا تھا اس دوران ۲۱ اگست تا ۲۳ اگست ۲۰۱۵ء لندن میں قادیانی جماعت کا سالانہ اجتماع تھا۔برطانیہ (لندن) میں پاکستان کے سابق ہائی کمشنر واجد شمس الحسن جو اپنی قادیانیت نوازی اور وطن دشمنی کا پورا ریکارڈ رکھتے ہیں نے ۲۳ اگست ۲۰۱۵ء کو لندن میں قادیانی اجتماع میں باقاعدہ شرکت کی اور پیپلز پارٹی سے متعلق ہونے کے باوجود بھٹو مرحوم کے ''قرار دادِ اقلیت'' کے فیصلے کو غلط قرار دیا۔اس پر برطانیہ اور پاکستان میں احتجاج ہوا، پنجاب اسمبلی میں واجد شمس الحسن کے خلاف قرارداد آئی، لاہور کے ممتاز قانون دان اشرف عاصمی ایڈووکیٹ نے واجد شمس الحسن کو قانونی نوٹس بھجوایا۔اس صورتِ حال نے بھی ۷ ستمبر کی ہماری مہم کی معنویت کو آشکار کیا۔۷ستمبر ہی

کو جمعیت علماء اسلام کے رہنما مولانا فضل غفور (رکن خیبر پختونخواہ اسمبلی) نے کے پی کے اسمبلی میں قرارداد پیش کی کہ:

''بحیثیت مسلمان ہم اللہ رب العالمین کو واحد لاشریک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین سمجھتے ہیں چونکہ ختم نبوت کا عقیدہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور اس کا دفاع ہمارا ایمانی فریضہ ہے اور آئین پاکستان نے بھی اس کو مکمل تحفظ فراہم کیا ہے۔ اس لیے نسل نو کو ختم نبوت کی ضرورت واہمیت کے عنوان سے باخبر رکھنے کے لیے یہ ہمارے نصاب تعلیم کا حصہ ہونا چاہیے، لہٰذا یہ صوبائی اسمبلی، صوبائی حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ ختم نبوت کے عنوان سے نصاب تعلیم میں مضامین شامل کئے جائیں''۔ اس قرارداد پر پاکستان مسلم لیگ (ن)، اے این پی اور پاکستان پیپلز پارٹی نے بھی دستخط کئے اور متفقہ طور پر منظور ہوئی۔

جبکہ ۸ر ستمبر بدھ کو پارلیمنٹ ہاؤس اسلام آباد کی مسجد میں ''یوم ختم نبوت'' کی تقریب ہوئی جس کی تفصیل پارلیمنٹ ہاؤس کی مسجد کے خطیب مولانا احمد الرحمٰن نے بھی بتائی۔ خبر ملاحظہ ہو:

''اسلام آباد (خبر رساں ایجنسیاں) قائم مقام اسپیکر قومی اسمبلی مرتضیٰ جاوید عباسی نے ۷ر ستمبر ۱۹۷۴ء کے دن کو ملک کی پارلیمانی تاریخ کا انتہائی اہم دن قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس دن قومی اسمبلی نے طویل بحث کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی اور اُس کے پیروکاروں کو غیر مسلم قرار دیا۔ ختم نبوت مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ اور ہر مسلمان کے ایمان کا بنیادی جزو ہے۔ بدھ کو پارلیمنٹ ہاؤس کی مسجد میں نمازِ ظہر کے بعد خطاب کرتے ہوئے قائم مقام اسپیکر نے کہا کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اس کی پہچان اسلامی تشخص ہے اور اس کی بنیاد نظریۂ اسلام پر قائم ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے رہنما اصولوں کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے ان کی حفاظت کے لیے ہم سب کو مل کر کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے تحریک ختم نبوت کے تمام اکابرین اور شہدا کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اُن کی جدوجہد اور قربانیوں کی وجہ سے آئین پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی شق کو شامل کیا گیا''۔ (روزنامہ ''اسلام'' لاہور ۱۱ر ستمبر ۲۰۱۵ء)

۷ر ستمبر کے اجتماعات ''عشرۂ ختم نبوت'' میں تبدیل ہو چلے ہیں بلکہ اس مرتبہ تو یہ سلسلہ ستمبر کے تیسرے ہفتے تک جاری رہا، مجلس احرار اسلام، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ، جمعیت علماء پاکستان، جمعیت علماء اسلام، مرکزی جمعیت اہلحدیث، جماعت اسلامی اور دیگر ملکی و علاقائی تنظیموں نے ۷ر ستمبر کو بھرپور اجتماع کئے۔ قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری نے ۷ر ستمبر کو بعد نمازِ ظہر چناب نگر میں جامعہ عثمانیہ ختم نبوت میں قاری شبیر احمد عثمانی کی دعوت پر سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کی اور اسی روز بعد نمازِ مغرب دفتر مرکزیہ احرار نیو مسلم ٹاؤن لاہور میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس کی صدارت کی جس میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث مولانا فضل الرحیم، پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی، جسٹس (ر) میاں نذیر اختر، جمعیت علماء اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل مولانا عبدالرؤف فاروقی، تنظیم اسلامی پاکستان کے سربراہ حافظ عاکف سعید، مرکزی اہلحدیث پاکستان کے مرکزی نائب امیر علامہ زبیر احمد ظہیر، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما مولانا مفتی محمد حسن اور قاری علیم الدین شاکر، رضوان الرحمٰن

رضی، مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری، قاری محمد یوسف احرار، قاری محمد قاسم، مولانا تنویر الحسن تحریک طلباء اسلام پاکستان کے کنونیر محمد قاسم چیمہ، محمد سفیان شفیق، محمد اسلام، سہیل الرحمٰن اور دیگر نے خطاب کیا۔ قائد احرار مولانا سید عطاء المہیمن بخاری نے صدارتی خطاب میں کہا کہ تکمیل دین اور تکمیل نبوت لازم و ملزوم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دین و نبوت کو مکمل کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ احرار تحفظِ ختم نبوت کے مورچے کی ذمہ داری سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتے۔ مولانا فضل الرحیم اشرفی نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ذریعہ ختم نبوت ہے جو تمام مسلمانوں کے لئے بخشش کا باعث ہے اس عقیدے کے تحفظ کیلئے خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بارہ سو جید صحابہ کرامؓ نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ ۶ ستمبر دفاع پاکستان ہے جبکہ ۷ ستمبر یوم ختم نبوت ہے جو آپس میں ملے اور جڑے ہوئے ہیں، انھوں نے کہا کہ دفاع پاکستان اور تحفظ ختم نبوت سیکولرازم کی نفی کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم نے پاکستان بننے کے بعد ''دفاع پاکستان احرار کانفرنس'' میں وطن عزیز کے دفاع کے لئے جس پالیسی کا اعلان کیا تھا ہم آج بھی اس پر قائم ہیں جبکہ حکمران، سیاستدان اور مقتدر حلقے ملک کی نظریاتی شناخت کو تبدیل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان تو قائم ہے اور قائم رہے گا لیکن وہ نظریہ کہاں ہے جس کے نام پر یہ خطہ حاصل کیا گیا تھا اس نظریے سے مجرمانہ اغماض برتا جا رہا ہے ہم جغرافیائی سرحدوں کا دفاع کرنے والوں کے ساتھ ہیں لیکن وہ بتائیں کہ وہ نظریاتی سرحدوں کے دفاع سے کیوں غافل ہیں۔

جسٹس (ر) نذیر اختر نے کہا کہ محض کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو ہٹانے کا مطالبہ ناکافی ہے ہمارا اصل مطالبہ یہ ہے کہ ارتداد کی شرعی سزا نافذ کی جائے قادیانی جماعت کو مکمل طور پر بین کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ پرویز مشرف کے دور اقتدار میں قادیانیوں اور لادین عناصر کو پالیسی ساز اداروں میں بٹھایا گیا آصف علی زرداری نے اسی پالیسی کو فالو کیا اور اب نواز شریف کی حکومت قادیانیوں کو حد سے زیادہ نواز رہی ہے۔ قادیانیت نوازی کا یہ سلسلہ ملک وملت کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔ مولانا عبدالرؤف فاروقی نے کہا کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی کامیابی کسی ایک طبقے کی کامیابی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کی کامیابی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دینی مدارس پر دہشت گردی کا الزام جھوٹ ہے سرچ آپریشن کے دوران مدارس میں کوئی قابل اعتراض سرگرمیاں ثابت نہیں ہوئیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ پولیس سمیت قانون نافذ کرنے والے اداروں سے قادیانیوں کو نکالا جائے اور ضرب عضب کا تیسرا فیز قادیانیوں اور چناب نگر میں قادیانیوں کی عمارتوں سے شروع کیا جائے تا کہ دہشت گردی اور دہشت گردوں کا اصل چہرہ اور روپ ظاہر ہو سکیں۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ ۷ ستمبر کا تاریخی فیصلہ پارلیمنٹ نے تمام دلائل پوری طرح سن کر دیا، انہوں نے کہا کہ دستور کے اسلامی حصوں پر عمل درآمد نہیں ہو رہا، اسلامی ریاست میں مرتد کی شرعی سزا ناگزیر ہے۔ علامہ زبیر احمد ظہیر نے کہا کہ اسلام کی بنیاد عقیدۂ ختم نبوت میں مضمر ہے اس عقیدہ کا مضمون تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جائے تا کہ نوجوان نسل عقیدۂ ختم نبوت سے روشناس ہو سکے۔ راقم

الحروف نے کہا کہ ختم نبوت کے مشترکہ پلیٹ فارم نے ہمیشہ اتحادِ امت کا مظاہرہ کیا اب بھی فرقہ واریت کا خاتمہ تحفظ ختم نبوت کی مشترکہ جدوجہد سے ہی ہوسکتا ہے اسی لئے اس قانون کو ختم کرنے کی عالمی سازشیں ہورہی ہیں شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد حسن نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ ہمیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے دامن سے جڑے رہنے میں ہی خیر اور نجات ہے، انہوں نے کہا کہ اندھیرے، گمراہی اور فتنوں کے اس دور میں اہل حق سے جڑے رہنے میں خیر ہے جبکہ قادیانی اور دین دشمن قوتیں فتنہ انگیزی اور پاکستان دشمنی میں مصروف ہیں۔ سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ شہداء ختم نبوت کے مقدس خون کے صدقے یہ ملک قادیانی اسٹیٹ بننے سے محفوظ رہا، انہوں نے کہا کہ اکابر احرار و ختم نبوت نے سیاست کو عقیدے پر قربان کیا اور اس ملک کے دفاع کیلئے نظریاتی جنگ لڑی ہم پاکستان کی حفاظت کیلئے آخری سانس تک جنگ لڑیں گے۔ تجزیہ نگار رضوان الرحمٰن رضی نے کہا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمکی ذاتِ اقدس پر حملہ ہو تو امت اپنے سینے کھول کر دفاع کرے گی، انہوں نے زور دیا کہ نسل نو کو جدید ذرائع ابلاغ اور خصوصاً سوشل میڈیا کے ذریعے منکرین ختم نبوت کی ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرنا چاہئے۔ قاری محمد یوسف احرار نے کہا کہ مجلس احرار اسلام برصغیر میں تحریک ختم نبوت کے مشن کی بانی جماعت ہونے کا اعزاز رکھتی ہے، ہم حکمرانوں سے کہتے ہیں کہ وہ قادیانی طبع شدہ لٹریچر کا ہی غیر جانبداری سے مطالعہ کریں تو حقیقت ان پر آشکار ہو جائے گی۔ مولانا تنویر الحسن نے کہا کہ قادیانیوں کے مذہبی تعاقب کے ساتھ ساتھ ان کے سیاسی تعاقب کی بھی شدید ضرورت ہے۔ محمد قاسم چیمہ نے کہا کہ قادیانی اکھنڈ بھارت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ’’را‘‘ کو قادیانی سپورٹ کررہے ہیں ہمیں وطن عزیز کا ہر سطح پر دفاع کرنا ہے، بلوچستان میں علیحدگی پسندی کی تحریکوں کے پیچھے انڈین پیسہ اور قادیانی عقیدہ کام کررہا ہے، کانفرنس شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد حسن کی دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی اس موقع پر دو روزہ فہم ختم نبوت کورس کے شرکاء میں اسناد تقسیم کی گئیں۔ پاکستان کے علاوہ دنیا کے کئی ممالک میں ۷؍ستمبر کے حوالے سے یوم ختم نبوت منایا گیا۔ ہم تمام مکاتب فکر کی جانب سے پورے جوش و خروش اور اہتمام کے ساتھ یوم ختم نبوت کے اجتماعات منعقد کرنے پر مبارکباد بھی پیش کرتے ہیں اور شکریہ بھی ادا کرتے ہیں، جہاں تک لندن میں سابق ہائی کمشنر واجد شمس الحسن کا یہ کہنا کہ ’’قادیانیوں کو اقلیت قرار دینا بھٹو کی غلطی تھی‘‘ جہاں قابل مذمت ہے وہاں پیپلز پارٹی کیلئے لمحۂ فکریہ بھی ہے، بھٹو نے تو کہا تھا کہ ’’قادیانی پاکستان میں وہ مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جو یہودیوں کو امریکہ میں حاصل ہے‘‘۔ لیکن پیپلز پارٹی اور بھٹو کا فالور ہونے کے دعوے دار واجد شمس الحسن خود ہی بتائیں کہ وہ اس مسئلہ پر بھٹو کے فالور ہیں یا مرزا غلام احمد قادیانی کے؟۔ قادیانیوں نے ۱۹۸۴ء میں پاکستان کے ایٹمی راز ڈاکٹر عبدالسلام آنجہانی کے ذریعے امریکہ کو فراہم اور فروخت کئے تھے، واجد شمس الحسن پاکستان اور آئین پاکستان کے غدار ہیں اور غداروں کو ہی سپورٹ کررہے ہیں، دینی حلقوں کی طرف سے واجد شمس الحسن کے خلاف قانونی کارروائی کا مطالبہ ہونا وقت کی ضرورت اور آئین کا تقاضا ہے۔ امید ہے کہ ذمہ دار حلقے اس پر توجہ مبذول فرمائیں گے۔

مولانا زاہد الراشدی

شیعہ سنی تصادم روکنے کی ضرورت اور تقاضے

مشرق وسطیٰ ہو یا پاکستان، ہم کسی بھی جگہ سنی شیعہ کشیدگی میں اضافہ اور اس کے فروغ کے حق میں نہیں ہیں اور پہلے کی طرح اب بھی دل سے چاہتے ہیں کہ اس کی شدت اور سنگینی میں کمی لائی جائے اور اس ماحول کو بحال کرنے کی کوشش کی جائے جو سنی شیعہ کشیدگی کے باقاعدہ خانہ جنگی کی صورت اختیار کرنے سے قبل موجود تھا کہ باہمی اختلافات کے باوجود مشترکہ قومی مسائل میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جاتا تھا۔ اختلافات کو دلیل اور مناظرے کے دائرے میں محدود رکھا جاتا تھا، ایک دوسرے کے عقیدہ و موقف پر شدید تنقید بھی کچھ حدود کا لحاظ رکھتی تھی اور باہمی قتل و قتال اور تصادم سے ہر ممکن گریز کیا جاتا تھا۔ ہم نے پاکستان کے قیام کی تحریک سے لے کر تحریک ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم، تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، تحریک تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر دینی و قومی تحریکات میں مشترکہ کردار ادا کیا ہے۔ اور ان تمام تر اختلافات کے باوجود کیا ہے، جنھوں نے اب ہمیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا رکھا ہے۔ اور سنی شیعہ اختلافات کا جملہ زبان پر آتے ہی دل و دماغ میں عجیب سے ہیجان بپا ہونے لگتا ہے۔ جہاں تک اختلافات کی بات ہے وہ تو صدیوں سے چلے آرہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ انھیں ختم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی دونوں میں سے کوئی گروہ دوسرے کو ختم یا مغلوب کرسکتا ہے۔ یہ اختلاف عقیدہ میں بھی ہے شخصیات میں بھی ہے، فقہ و شریعت میں بھی ہے اور رسوم و عبادات میں بھی ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ اختلافات کسی طرح ختم کیے جاسکتے ہیں تو وہ انسانی فطرت، معاشرتی، نفسیاتی اور تاریخی پس منظر و عوامل سے بے خبری کا اظہار کرتا ہے۔ البتہ ان اختلافات کا ایسا اظہار اور ان کی بنیاد پر ایسا باہمی رویہ ضرور غور طلب ہے جو کشیدگی میں اضافے کا باعث بنتا ہے اور باہمی تصادم کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اس کا سنجیدگی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ ہم اس پر غور و خوض کی اہل فکر و دانش کو وقتاً فوقتاً دعوت دیتے رہتے ہیں اور اسے اپنی دینی و قومی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

دراصل ہمارے ہاں یہ سوچ مسلسل پروان چڑھ رہی ہے کہ کسی مسئلے کو ’’کیموفلاج‘‘ کر دینے سے شاید اس کے حل کی کوئی صورت نکل آتی ہے۔ یعنی مسئلے کے وجود سے انکار کر دیا جائے۔ اس پر بحث و تمحیص سے گریز کیا جائے اور اسے نظر انداز کیا جاتا رہے تو وقتی طور پر وہ آنکھوں سے ضرور اوجھل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی سطح سمندر جیسی خاموشی کی تہہ میں جو طوفان کروٹیں لے رہے ہوتے ہیں، ان میں ایک بھی ابھر آئے تو سب کچھ تہ و بالا ہو کر رہ جاتا ہے اور پھر جو کچھ کیا جاسکتا ہے وہ بھی نہیں ہو پاتا۔

پاکستان کا داخلی ماحول ہو یا مشرق وسطیٰ کا وسیع تناظر ہو ہم ہر جگہ اور ہر حوالے سے اس بات پر زور دیتے آرہے ہیں کہ کشیدگی کی موجودگی کو محسوس کیا جائے، اس کے معروضی تناظر کو کھلی آنکھوں سے دیکھا جائے اس کے اسباب

وعوامل کی نشاندہی کی جائے، فریقین کے سنجیدہ اربابِ دانش کے درمیان مکالمے کا اہتمام کیا جائے۔ ان اسباب وعوامل کو کم کرنے کے امکانات کا جائزہ لیا جائے۔ ایک دوسرے کے وجود اور جائز حقوق کا احترام کیا جائے اور ایک دوسرے کی شکایات وتحفظات کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ یہ کام یک طرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ بنیادوں پر ہونا چاہیے اور ایسے موثر افراد وطبقات کو سامنے آنا چاہیے، جو عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دونوں فریقوں سے بات کرسکیں۔ دونوں کو ایک میز پر لاسکیں، حقیقت پسندانہ توازن قائم کرسکیں اور معاملات کو سلجھانے یا کم از کم مزید بگڑنے سے روکنے کے لیے کوئی کردار ادا کرسکیں۔

ہمارے خیال میں مسئلے کا اصل یہی ہے اور اس کے لیے مشرقِ وسطٰی کے ماحول میں اسلامی سربراہ کانفرنس کی تنظیم، جبکہ پاکستان کے اندر عدالت عظمٰی یا ریٹائرڈ جسٹس صاحبان کا کوئی فورم اس کام کو بطریق احسن سرانجام دے سکتا ہے۔ اگر حکومتی سطح پر یا فریقین کی طرف سے اس کی پذیرائی نہ ہو تو بھی غیر جانبدار دانشوروں کا کوئی فورم اپنے طور پر یہ ذمہ داری قبول کر کے آزادانہ انکوائری اور تحقیقات کے ذریعے شیعہ سنی کشیدگی میں مسلسل اضافے کے اسباب وعوامل کی نشاندہی کر کے اس میں کمی لانے کے لیے تجاویز اور سفارشات ملکی اور عالمی رائے عامہ کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔ اس سے لوگوں کو اصل صورت حال سمجھنے میں مدد ملے گی اور رائے عامہ کی راہ نمائی ہوجائے گی۔ اور یہ طرزِ عمل کوئی نئی اور ان ہونی بات نہیں ہوگی، کیونکہ قومی اور عالمی سطح پر تنازعات میں ایسا ہوتا آرہا ہے اور اس کی افادیت اور تاثیر سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مثلاً مشرق وسطٰی کی موجودہ صورت حال کو سعودی عرب اور ایران کے درمیان پراکسی وار سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ اور ظاہری تناظر بھی یہی ہے کہ مشرق وسطٰی کے نصف درجن کے لگ بھگ ممالک میں یہ کشیدگی آگے بڑھ رہی ہے اور اس کشیدگی کے فروغ کی پشت پر ایران اور سعودی عرب کی موجودگی ہر ایک کو نظر آرہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا موقف یہی ہوگا کہ وہ یہ سب کچھ اپنے دفاع میں کر رہا ہے اور اپنے ہم خیال لوگوں کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اپنی سلامتی اور بقا کی خاطر اسے ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن کیا ان دعووں کا زمینی حقائق کی بنیاد پر جائزہ لینا ضروری نہیں ہے؟ سوال یہ ہے کہ زمینی حقائق کیا ہیں، واقعات کی ترتیب کیا ہے اور ایک دوسرے کے حوالے سے اقدامات اور پالیسیوں میں توازن وتناسب کیا ہے؟ جب تک ان امور کا جائزہ نہیں لیا جائے گا اور معروضی صورت حال کی پشت پر کارفرما حقائق واسباب کو سامنے نہیں لایا جائے گا، نہ تو اس کشیدگی بلکہ تصادم کو روکنا ممکن ہوگا اور نہ ہی انصاف کے تقاضے پورے کیے جاسکیں گے۔ دونوں میں سے کسی کو یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کشیدگی اور تصادم کا فائدہ صرف امریکا، اسرائیل اور ان عالمی قوتوں کو ہے جو عالم اسلام کو بکھری ہوئی حالت میں رکھنا چاہتی ہیں، جنھیں عالم اسلام میں دینی بیداری اور مذہبی رجحانات کا فروغ برداشت نہیں ہے جن کا مفاد اسرائیل کے تحفظ واستحکام اور اس کے ذریعے مشرق وسطٰی کے وسائل اور دولت پر اپنی گرفت قائم رکھنے

میں ہے اور جو عالم اسلام کو اس کے اپنے وسائل کے کنٹرول اور استعمال سے محروم رکھنے میں اپنی عافیت سمجھ رہی ہیں۔

لیکن اس کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں، اسباب و عوامل کا تعین کریں اور انھیں دور کرنے کے لیے باہمی مکالمہ و مشاورت کے ساتھ راستہ نکالیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم سب نے مسائل کے حل کے لیے امریکا کی طرف دیکھنے کی روش اپنالی ہے۔ ہماری اپنی پالیسیوں کا تعین بھی واشنگٹن کا موڈ دیکھ کر ہوتا ہے اور اسے دولت و طاقت کا کرشمہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ امریکا بہادر بیک وقت حریف بھی ہے، فریق بھی ہے، ریفری بھی ہے، قابض بھی ہے، جج بھی ہے گواہ بھی ہے وکیل بھی ہے اور فیصلہ صادر کرنے کے بعد سزا دینے کی اتھارٹی بھی وہی رکھتا ہے۔ کیا عالم اسلام کی مثال آپریشن تھیٹر کے اس مریض کی تو نہیں جسے سرجن نے بے ہوش کر کے اس کے پورے جسم کی چیر پھاڑ شروع کی رکھی ہے؟ بات آپریشن کی حد تک رہتی تو کسی حد تک قابل فہم تھی، مگر اب تو یہ آپریشن ''پوسٹ مارٹم'' کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

نوٹ: یہ کالم تین چار روز قبل لکھ کر مکمل کر چکا تھا اور ارادہ تھا کہ ستمبر کا پہلا عشرہ گزر جانے کے بعد اسے اشاعت کے لیے بھجواؤں گا۔ مگر اس کے بعد دو بظاہر چھوٹی سی خبریں نظر سے گزریں۔ جن کو کسی تبصرہ کے بغیر قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے دوستوں کو ہماری گزارشات کا مقصد سمجھنے میں اس سے کچھ سہولت ہوجائے۔ ایک خبر ایک قومی روزنامے کے ملتان ایڈیشن میں ۵؍ستمبر کو شائع ہوئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ:

''ایران کے قونصل جنرل نے حال ہی میں حکومت پنجاب کی اعلیٰ شخصیات سے ملاقات کر کے انھیں پیش کش کی تھی کہ پنجاب پولیس اور ایران پولیس ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں تاکہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے پولیس کو جدید خطوط پر تربیت دی جاسکے۔ ذرائع کے مطابق حکومت پنجاب نے یہ پیش کش قبول کر لی ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ سیکرٹری داخلہ پنجاب، آئی جی پولیس پنجاب اور ایڈیشنل آئی جی اسپیشل پر مشتمل ایک وفد تین روز دورے پر ایران جائے گا اور ایران کے پولیس سسٹم کا جائزہ لے گا۔''

جبکہ دوسری خبر ایک اور معاصر کے گوجرانوالہ ایڈیشن نے ۸؍ستمبر کو شائع کی ہے جس کا متن یہ ہے: ''امریکی اخبار ''واشنگٹن ٹائمز'' نے اپنی رپورٹ میں دعویٰ کیا ہے کہ یمن، شام، لبنان اور غزہ کی پٹی میں ایران اپنے حامی جنگجوؤں کو سالانہ اربوں ڈالر کی امداد مہیا کرتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ایران کی وزارت دفاع کا سالانہ بجٹ ۱۴؍ سے ۳۰؍ ارب ڈالر کے درمیان ہے، جس کا ایک بڑا حصہ بیرون ملک مسلح دہشت گرد گروپوں بالخصوص مشرق وسطیٰ میں سرگرم تنظیموں کو پہنچایا جاتا ہے۔ شام میں بشار الاسد کی حمایت میں لڑنے والے اجرتی قاتلوں کو ماہانہ ۵۵۰ سے ایک ہزار ڈالر اجرت ایران کی طرف سے ادا کی جاتی ہے۔ ان میں سے بیشتر جنگجوؤں کا تعلق افغانستان اور دوسرے ملکوں سے ہے، پہلے ان کی ایران ہی میں عسکری تربیت کی جاتی ہے''۔

پروفیسر خالد شبیر احمد

قصہ جمہوریت کے علمبرداروں کا

آئینہ تیرے حسن کی کیا خبر دے گا　　　میری غزل مرے شیشۂ خیال میں دیکھ

میں نے پاکستان بنتے ہوئے دیکھا ہے۔ قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک پاکستان کی سیاسی تاریخ میرے سامنے ہے۔ میں نے کسی کتاب سے پاکستان کی سیاسی تاریخ نہیں پڑھی بلکہ یہ تاریخ میرا مشاہدہ ہے۔ ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' کے مثل یہ تاریخ میری نظروں کے سامنے ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے جس سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کرسکتا کہ یہ تاریخ اتنی شرمناک، ہولناک اور الم ناک ہے کہ اسے بیان کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ یہ ہمارا سب سے بڑا المیہ ہے کہ ہر انتخاب سے پہلے اگر ایک سیاسی بحران ہوتا ہے تو انتخاب کے بعد یہ بحران اور شدید نوعیت اختیار کر لیتا ہے۔ ۲۰۱۳ء کے انتخابات سے پہلے بھی حالات اتنے خوش کن نہیں تھے لیکن انتخاب کے بعد اور خراب ہوگئے۔ دنیا کے جن ممالک میں جمہوریت ہے وہاں اگر سیاسی بحران پیدا ہو جائے تو انتخاب کے ذریعے ختم ہو جاتا ہے۔ مگر ہمارے ملک کے اندر الٹی گنگا بہتی ہے کہ انتخاب کے بعد سیاسی بحران اور شدید ہو جاتا ہے۔

موجودہ سیاسی حالات میں فوج دہشت گردی کے خلاف پوری دل جمعی کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے۔ مگر سیاست دان ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ یہ جنگ کامیابی سے ہمکنار نہ ہو۔ اور ہمارے نئے سیاستدان عمران خان گھمسان خان بن گئے ہیں دھاندلی، دھاندلی کی رٹ لگا رکھی ہے اور کہتے ہیں کہ احتجاج، جلوس، جلسے، دھرنے جمہوریت کا حسن ہیں۔ ان سے بھلا کوئی پوچھے کہ جمہوریت یہاں ہے کہاں جس کے حسن کے لیے آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔ جہاں غربت اور امارت کے درمیان اتنا بڑا فرق ہو جہاں امراء کے کتے اطلس وکمخواب کے غلافوں میں رات کو سوتے ہوں اور غریب کو سر چھپانے کے لیے چھوٹی سی کٹیا بھی نصیب نہ ہو، جہاں نہ تعلیم ہو نہ سیاسی شعور، نہ اچھی تربیت، نہ احساس ذمہ داری، جہاں انتخاب کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنا لیا جائے۔ وہاں آپ برطانیہ کی طرح کے انتخاب کی توقع رکھتے ہیں تو اپنے دماغ کا علاج کرائیں۔ یہ بات تو اب کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اس ملک کو تباہی کے کنارے لانے والے خود اس ملک کے سیاست دان ہیں۔ جو سیاست کو تجارت میں تبدیل کر چکے ہیں۔ جن کے ہاں سیاست کا مطلب ومعنی حکمت ودانائی نہیں ہے بلکہ خباثت ہے۔ جو مفلوک الحال لوگوں کا خون نچوڑ نچوڑ کر محلات تعمیر کر کے پاکستان کی معاشی ومعاشرتی و سیاسی حالات ایسے موڑ پر لے آئے ہیں کہ کہنا پڑتا ہے

حالات کے مقتل میں کھڑا سوچ رہا ہوں　　　احساس کے زخموں سے کہیں مر ہی نہ جاؤں

اگر سیاسی جماعتوں کا تاریخی حوالے سے جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ پاکستان کی سیاسی قیادتیں ہر زاویے، ہر حوالے اور ہر پہلو سے انتہائی غیر معیاری، خود غرض اور نااہل ثابت ہوئی ہیں۔ قیادتوں کے نااہل ہونے کے شواہد یوں تو لا متناہی ہیں لیکن ان میں بنیادی مظہر ہوسِ اقتدار ہے۔ اقتدار کی ہوس نے ہماری قیادت کے دلوں سے خوفِ خدا نکال دیا ہے۔ حب الوطنی کا جذبہ ان کے دلوں سے رخصت ہو چکا ہے۔ ایثار والے کردار کا تصور بھی ان کے دل و دماغ کے کسی گوشے میں موجود نہیں رہا۔ نہ کوئی موقف، نہ نصب العین، نہ منزل کا تصور، نہ تحمل، نہ برداشت، نہ حکمت، نہ دانائی اور نہ اتحاد و اتفاق جیسی کسی خوبی سے ان کا واسطہ ہی گویا نہیں ہے۔ اس کے برعکس ذاتی اور جماعتی مفادات کے لیے قومی مفادات کو مجروح کرنے کی روش سیاسی قیادتوں کی فطرت اور سرشت کا حصہ بن چکی ہے۔ یہ سب لوگ جو ملک کے اندر سیاست و جمہوریت کا کھٹ راگ الاپ رہتے ہیں۔ یہ سب پہلے اپنی ذات کے تابع ہیں اس کے بعد اپنی جماعت کے جس کے ذریعے مفادات حاصل کرتے ہیں اور یہ سب کچھ وہی ہے جو پاکستان کے آغاز سے ہی موجود ہے۔ وہ ابتدا تھی یہ اسی کا ارتقا ہے۔ خدا معلوم انتہا کیا ہو

خشتِ اوّل چو نہد معمار کج　　　　تا ثریا می رود دیوار کج

یا پھر کہہ لیجئے کہ

مٹی کی صلابت پہ نظر کس کی پڑی تھی　　　　شکوہ ہے اب کیسا بھلا کوزہ گروں سے

دین کا نعرہ لگا کر جب آپ دنیا بنانے لگ جائیں گے تو پھر یہی کچھ ہوگا جو ہو رہا ہے کہ کرپشن روکنے کے لیے فوج مستعد ہے لیکن سیاسی قیادتیں اس کی راہ روکنے کے لیے ہر حیلہ بروئے کار لا رہی ہیں۔

اس زوال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ملک آزاد ہوا تو اس ملک کی قیادت ان لوگوں کے ہاتھ میں آئی۔ جن کا انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی میں کوئی حصہ نہ تھا۔ بلکہ جنھوں نے انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے ہر قوت بروئے کار لا کر انگریزوں کی خوشنودی حاصل کی اور انگریز سے مراعات اور مربعے حاصل کر کے اپنی امارت اور سرمایہ پرستی کے لیے ہاتھ پاؤں مارے۔ ان لوگوں نے اقتدار حاصل کر کے من مانی کی۔ دین کے نام پر ملک حاصل کیا اور دنیا بنانے میں اپنی پوری صلاحیتیں صرف کر دیں۔ اقبال جسے یہ مصوّرِ پاکستان کہتے ہیں اس کی بھی ایک نہ مانی۔ اقبال نے تو کہا تھا کہ:

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت　　　　ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

پھر حادثہ یہ بھی ہے کہ جن دیوانوں نے فرنگی سامراج کے خلاف بغاوت کی، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، اپنی زندگی کا بیشتر حصہ قیدِ افرنگ میں گزارا......جن کی جدوجہد سے ملک آزاد ہوا......ان کے بارے میں یہ تاثر دینا

کہ وہ قوم کے غدار تھے۔ اچھا اگر وہ غدار تھے تو جن لوگوں نے اس ملک کی قیادت کی ہے یہ کہاں کے وفادار ہیں۔ اب موجودہ جماعتوں کے جتنے قائدین ہیں ان کو اکٹھا کرلیں۔ ان کے خاندان کے کن افراد نے انگریزوں کے خلاف جنگ حریت میں حصہ لیا۔ کسی کا کوئی باپ دادا ایسا ہے جس نے جنگ آزادی میں حصہ لیا ہو یہ تو دور کی بات ہے۔ یہ تو وہ لوگ تھے جنہیں انگریزوں کے قصیدہ پڑھنے کی وجہ سے سب کچھ مل گیا۔ جس کے یہ لوگ کسی طور مستحق ہی نہ تھے:

نیرنگئ سیاستِ دوراں تو دیکھئے　　منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

یہی وہ سبب ہے جس کی سزا اس ملک کے عوام پاکستان کے قیام سے ہی بھگت رہے ہیں۔ جمہوریت کے ثمرات ہیں کہ ہم دن بدن غربت کی چکی میں پستے چلے جارہے ہیں کہ اس نظام کی پہچان ہی یہ ہے کہ امیر، امیر سے امیر تر ہوتے جائیں اور غریب، غریب سے غریب تر:

کثرت و قلت کی ہے بازی گری جمہوریت　　زور پرستوں کی ہے جنگ زرگری جمہوریت
کہہ رہی ہے ”ہیروشیما“ کی کہانی آج بھی　　ظلمتوں کی داستاں ہے خوں بھری جمہوریت
خالدؔ و اقبالؔ دونوں کہہ رہے ہیں ایک بات　　بندۂ زردار کی ہے رہبری جمہوریت
جو کچھ کہا اقبالؔ نے اس میں نہیں ہے کچھ غلط　　جس کے ہر اک شعر میں مضمر شعورِ آگہی
ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام　　جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب　　تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

پاکستانی قیادت نے جمہوریت کو دین کی کرسی پر بٹھا کر اس کا طواف کرنا شروع کردیا۔ لیکن عملاً جمہوریت کے ساتھ بھی مذاق ہوتا رہا۔ انہی سیاست دانوں نے ہی سب سے پہلا مارشل لگایا اور لگانے والا پاکستان کا پہلا صدر سکندر مرزا تھا۔ کیا یہ بھی سانحہ نہیں کہ جو ملک لا الٰہ کہہ کے بنایا گیا تھا۔ اس کا پہلا صدر میر جعفر کی اولاد سے تھا۔ جس کے بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں:

جعفر از بنگال و صادق از دکن　　ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن

جنرل ایوب خان اس مارشل لا کے نتیجے میں آئے پھر اسی ایوب خان کے خلاف جمہوریت کی بحالی کی تحریک بھی ان سیاست دانوں نے ہی چلائی۔ ایوب کتا، ایوب کتا سے پاکستان کی سیاسی فضا گونج اٹھی پھر دیکھئے ان سیاست دانوں کی جمہوریت نوازی کہ جمہوریت کی بحالی کے لیے چلائی گئی تحریک کے بعد جنرل یحییٰ خان کی بدتر آمریت کو تسلیم کر کے گھروں میں آرام سے بیٹھ گئے تاکہ آنے والے انتخاب کے لیے تازہ دم ہوا جاسکے۔ پھر جنرل یحییٰ خان نے ”لیگل فریم آرڈر“ ان ہی جمہوریت کے خدمت گزاروں سے منوایا۔ انھی جمہوریت کے عاشقوں نے اسی ”لیگل فریم آرڈر“ کے تحت

ون یونٹ کو جنرل یحییٰ خان سے ختم کرایا۔ ''ون ووٹ ون مین'' منوایا۔ گویا تسلیم کرلیا کہ آئندہ حکومت کی سربراہی مشرقی پاکستان سے ہوگی کیونکہ ''ون مین ون ووٹ'' کے تحت تو اکثریت مشرقی پاکستان ہی ہونی تھی جو آبادی کے لحاظ سے مغربی پاکستان کی آبادی سے زیادہ تھی۔ آئین میں یہ درج تھا کہ قومی اسمبلی میں آدھے نمائندے مشرقی پاکستان سے ہونگے اور آدھے مغربی پاکستان سے۔ اگر صدر مشرقی پاکستان سے ہوگا تو وزیر اعظم لازماً مغربی پاکستان سے اور اگر صدر مغربی پاکستان سے ہوگا تو پھر وزیر اعظم لازماً مشرقی پاکستان سے ہوگا۔ ان بڑے بڑے قد آور سیاستدانوں نے سب کچھ بدلنا قبول کرلیا اور یہ جمہوریت کی خدمت کی۔ جنرل یحییٰ نے وہ سب کچھ ان سے منوالیا جو بعد میں مشرقی پاکستان کے سقوط کا ذریعہ بنا۔ پھر جب قومی اسمبلی میں مشرقی پاکستان کی اکثریت ہوئی تو انھیں حکومت دینے سے انکار کیا گیا۔ جس کے بعد آہستہ آہستہ حالات خراب تر ہوتے گئے اور ہمیں مشرقی پاکستان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ یہ ہے ان سیاست دانوں کا سیاسی شعور اور یہ ہے ان کی وہ خدمت جو جمہوریت کے لیے یہ کرتے رہے ہیں اور کررہے ہیں۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد:

سقوط ڈھاکہ کے بعد جب ایک مرتبہ پھر اقتدار جمہوریت کے ان خدمت گزاروں کے سپرد ہوا تو پانچ سال کا عرصہ تو بخیر گزر گیا۔ لیکن ۱۹۷۷ء کے انتخاب کے دوران دو بڑی جمہوری جماعتوں کے درمیان شدید قسم کے اختلافات پیدا ہوگئے۔ مرکزی انتخاب کے دوسرے روز جب صوبائی انتخاب ہونے تھے اپوزیشن جماعتوں کے متحدہ اتحاد ''پاکستان قومی اتحاد'' نے مرکزی انتخاب میں ہونے والی دھاندلی کے خلاف انتخاب کا بائیکاٹ کردیا اور یہ بائیکاٹ رفتہ رفتہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرگیا۔ جس کی کوکھ سے ''نظام مصطفیٰ'' کی تحریک نے جنم لیا وہ آخر میں بالکل سول وار کی شکل اختیار کرگئی ملک کے اندر ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ یہ دو بڑی جمہوریت نواز جماعتوں نے قوم کو انعام دیا اختلاف کو اس نہج تک لے گئے کہ مارشل لا لگانا پڑا۔ لوگوں نے مارشل کا استقبال دل کی گہرائیوں سے کیا بھنگڑے ڈالے گئے مٹھائی بانٹی گئی دیگیں چڑھائی گئیں۔ غرضیکہ جمہوریت کے شیدائیوں نے جمہوریت کے نام پر ملک کو سول وار کے حوالے کیا اور مارشل لا ان جمہوریت کے شیدائیوں سے نجات کا ذریعہ بنا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ سیاسی جماعتوں میں آپس میں انتخاب کے شفاف و غیر شفاف ہونے پر اختلاف تھا اور اس اختلاف نے ملک کو مارشل لا کے سپرد کردیا۔ یہ وہ بڑی خدمت ہے جو جمہوریت کے چاہنے والوں نے سرانجام دی۔ لوگوں نے سیاسی جماعتوں کی اس خدمت پر جو کہ جمہوریت کے لیے تھی اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد یہ بحث بے معنی ہوکے رہ جاتی ہے کہ ضیاء الحق کے دور میں ملک کو فائدہ ہوا کہ نقصان۔ اگر نقصان ہی ہوا تو اس کی ذمہ داریہی جمہوریت کی خدمت گزار سیاسی جماعتیں ہی تھیں۔ اس کے بعد یہ سیاسی جماعتیں کس منہ سے یہ بات کہہ سکتی ہیں کہ جمہوریت کے پروان نہ چڑھنے میں مارشل لا کا ہاتھ ہے جبکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس

ہے کہ:

''ایں ہمہ آوردۂ تست''

ضیاء الحق نے ۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی انتخاب کرائے۔ جمہوریت کی طلب گاروں نے اس انتخات کا بائیکاٹ کیا کہ یہ جماعتی بنیادوں پر نہیں۔ اتنی جلدی یہ لوگ اتنا بڑا سانحہ بھول گئے کہ جو انتخابات ۱۹۷۷ء میں جماعتی بنیادوں پر ہوئے تھے اس میں آپ کا کیا کردار تھا۔ غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں محمد خان جونیجو ملک کے وزیر اعظم بنے اور پارلیمنٹ نے آٹھویں ترمیم کے ذریعے وہ تمام قوانین جو مارشل لا کے دور میں پاس ہوئے انھیں آئین کا حصہ بنالیا گیا۔ اس آٹھویں ترمیم میں ہی ایک قانون 58/2-B بھی تھا۔ جس کے تحت صدر ریاست کو اس بات کا اختیار دیا گیا کہ جب صورت حال تقاضا کرے وہ مرکزی یا صوبائی اسمبلی کو توڑ سکتا ہے۔ یہ اختیار اس لیے بھی آئین کا حصہ بنایا گیا تھا کہ جمہوریت کے خدمت گزار سیاست دان ایسی حرکت پھر نہ کرسکیں جیسی انھوں نے ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے بعد کی۔ سیاست دانوں کے سر پر یہ تلوار لٹکتی رہے اور وہ محتاط ہوں کہ کوئی مارشل لا کی صورت پیدا نہ ہو۔

بات یہ ہے کہ 58/2-B اگر چہ ضیاء الحق کی طرف سے آئین کا حصہ بنا لیکن اس کا عملی نفاذ کسی فوجی آمر نے نہیں کیا بلکہ اسے دو بار ملک کی خدمت کرنے والے جمہوریت کے عاشق سیاست دانوں نے ہی نافذ کیا۔ پہلی دفعہ صدر اسحاق کی طرف سے وزیر اعظم نواز شریف کو معزول کیا گیا اور پھر دوسری دفعہ 58/2-B کا نفاذ بھی پیپلز پارٹی کی طرف سے بنائے گئے صدر فاروق لغاری نے اپنی ہی جماعت کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کو معزول کر کے کیا

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے　　　　اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مندرجہ بالا صورت حال پیش کردہ اس موقف کے حق میں بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ ملک کے سیاست دانوں کا یہ طبقہ ہی ہے جو جمہوریت کے علمبردار بنتے ہیں جس نے ہر مرحلہ پر ایسے فیصلے کیے کہ خود جمہوریت ہی اس سے قتل ہوئی:

روتا ہے اس پہ صدیوں سے یہ چرخِ نیلی فام　　　　میرا ہی قتل ہوگیا میرے ہی ہات سے

مندرجہ بالا واقعات سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ ملک کے سیاست دانوں کا یہی طبقہ جو جمہوریت کا علم کندھے پر اٹھاتے پھرتے ہیں انھوں نے ہی سیاست کے ہر موڑ پر اور اہم موقعہ پر غلط فیصلے کیے جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑا اور اب بھی بھگت رہی ہے۔ تحریک انصاف ایم کیو ایم پیپلز پارٹی ہو کہ کوئی اور پارٹی...... ہر پارٹی ان نامساعد حالات کی پوری طرح ذمہ دار ہے۔ ملک چاروں طرف سے ہولناک حالات میں گھرا ہوا ہے، بھارت کھل کر اندرون ملک اور مشرقی باڈر پر جنگ کی صورت حال پیدا کر رہا ہے۔ ملک کے اندر بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' پوری طرح متحرک ہے فوج چاہتی ہے کہ ملک سے دہشت گردی اور کرپشن ختم ہو۔ لیکن یہ جمہوریت کے نام نہاد خادم ایسے حالات پیدا کر رہے ہیں کہ فوج اپنے اس اہم ترین

مشن میں کامیاب نہ ہوسکے۔اس کے باوجود دعویٰ ان کا یہ ہے کہ یہ جمہوری اقدار کی حفاظت کررہے ہیں۔

آخر میں یہ بات بھی ہمیں دعوت فکر دے رہی ہے کہ بھارت میں یہ کام کیوں نہیں ہوتا۔جمہوریت اور مارشل لا کی آنکھ مچولی صرف پاکستان کا ہی کیوں مقدر بن کے رہ گئی ہے۔وہاں وہ جمہوریت کی اس طرح خدمت نہیں کرتے جس طرح ہمارے ملک کے سیاست دان جمہوریت کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔وہاں نہرو حکومت کرتا رہا جنگ آزادی میں اس کا وافر حصہ تھا۔اس کے دورِ حکومت میں وہاں کی حکومت کے بنیادی ادارے مضبوط ہوئے۔وہاں فوج اپنے دائرہ کار میں رہ کے کام کرتی ہے۔ایک مثال سے بات واضح ہوجاتی ہے کہ ساری عمر میں کالجوں میں پڑھاتا رہا ہوں نہ جانے کتنے پرنسپل میں نے دیکھے اوران کے ساتھ کام بھی کیا جس کالج کا پرنسپل نالائق ہو اس کالج کا ہیڈکلرک پرنسپلی کرتا ہے۔کالج ہیڈکلرک کے ہاتھ چلا جاتا ہے اور پرنسپل محض دستخط کرنے والی مشین بن کے رہ جاتا ہے جس ملک کے سیاست دان نالائق ہونگے وہاں پھر فوج آئے گی۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد جب ہندوستان کا سپہ سالار جنرل اروڑا سنگھ دہلی ایئرپورٹ پر اترا تو اس کا پرجوش استقبال ہوا،عوام نے اسے کندھوں پر اٹھالیا، گلے میں ہار ڈالے اوراس کے حق میں نعرے لگائے۔یہ واقعہ ہوا تو دوسرے دن جنرل اروڑا سنگھ کواس وقت کی وزیراعظم اندرا گاندھی نے اپنے دفتر میں طلب کرلیا اور کہا کہ ''کل جو کچھ ہوا وہ ہوگیا آئندہ میں تمہیں عوام میں نہ دیکھوں تم نے جو کچھ کیا وہ تمہارا فرض تھا اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔اگر میں نے آئندہ عوام کی کسی تقریب میں دیکھا تو یاد رہے میرا نام اندرا گاندھی ہے''۔اس کے بعد اس جنرل اروڑا سنگھ کا کہیں ذکر نہیں ملتا اسے زمین کھا گئی یا آسمان نے اچک لیا۔اسے کہتے ہیں سیاسی قیادت اور پھر آپ کی لاڈلی جمہوریت بھی ایسی ہی فضا میں پروان چڑھتی ہے۔جلسے،جلوس،دھرنے سے تو جمہوریت صرف حسین ہوتی ہے ایسے حسن سے قومی مفادات کو کیا فائدہ۔آپ اسے حسین بناتے رہتے ہیں اور اٹھا کر کوئی جرنیل لے جاتا ہے۔جو اسے گھر کی لونڈی بنالیتا ہے۔یہ کھیل کہیں تو ختم ہونا چاہیے۔

تیسرا مارشل لا جنرل پرویز مشرف کا تھا۔یہ مارشل لا تو بالکل دوسری نوعیت کا تھا جس کے بارے میں یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ مارشل لا بھی سقوط ڈھاکہ کی طرح ایک بین الاقوامی سازش تھا۔اس سازش میں امریکہ برطانیہ اوراسرائیل باقاعدہ شامل تھے۔سازش پہلے تیار ہوئی مارشل لا بعد میں لگا کہنے والے تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ''نائن الیون'' کا واقعہ اس سازش کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے وقوع پذیر ہوا۔اب سازش کا مقصد کیا تھا طالبان کی افغانستان کے اندر اسلامی حکومت کو تباہ برباد کرنا۔جنرل پرویز مشرف نے اقتدار میں آنے کے بعد جو کچھ کیا وہ اس سازش کا خود ایک بین ثبوت ہے۔پرویز مشرف کے دور میں ایک اہم قادیانی نے متوازی حکومت کی قیادت کی،امریکہ

سے ڈالر لیے، افغانستان پر شدید نوعیت کی بمباری کر کے لاکھوں بے قصور لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ قبائل کی سرزمین جو کبھی پاکستان کا بازوئے شمشیرزن کہلاتا تھا، جنھوں نے آزاد کشمیر کا علاقہ فتح کر کے پاکستان کے حوالے کیا، ان پر بمباری کی گئی ان کے جوانوں کو شہید اور بچوں کو یتیم کر دیا گیا۔ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ اس ساری کاروائی میں پاکستان کی سیاسی قیادت جو جمہوریت کے علمبردار تھے، وہ بھی پرویز مشرف کے مارشل لا کے گیت گانے لگ گئے۔ ایک نئی جماعت ق لیگ بن گئی جس میں مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی دونوں کے سرکردہ جمہوریت نواز سیاسی رہنما شامل تھے۔ جمہوریت کو مارشل لا نے اغوا کرلیا اور ایک عرصے تک یہ جمہوریت ایک فوجی آمر کے گھر کی لونڈی بنی رہی۔ جمہوریت کے علمبردار برملا کہتے رہے کہ ہم پرویز مشرف کو وردی میں ایک سو سال تک بھی بطور صدر تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ ہے ان جمہوریت کے علمبرداروں کی داستانِ رنج والم، پھر دیکھئے ان ہی جمہوریت پسند سیاسی قائدین پر کرپشن کے مقدمات بھی ہیں اور اس پر یہ نادم بھی نہیں ہیں۔ درمیان میں مولانا طاہر القادری صاحب بھی تشریف لائے انقلاب کے نعرے لگاتے رہے، عمران خان کے ساتھی بنے، لوگوں کو سردی میں بٹھا کر خوب سیاست اور جمہوریت کا مزہ اٹھایا۔ اب یوں غائب ہیں کہ کہیں نظر نہیں آتے۔ عمران خان صاحب نیا پاکستان بنانا چاہتے ہیں جیسے کسی دور میں بھٹو صاحب نے بھی نیا پاکستان بنایا تھا۔ ان سے کون کہے کہ پرانے پاکستان کو ہی ٹھیک کرلو۔ نیا بنانے پر تو بہت کچھ داؤ پر لگانا پڑے گا۔ جس کا اب پاکستان متحمل نہیں ہے۔ ایسے حالات پر یہی تبصرہ کیا جاسکتا ہے

نکلا تھا گھر سے عظمتِ رفتہ کو ڈھونڈنے   طوفان میں لا کے چھوڑ گیا نا خدا مجھے
یہ شہرِ ناسپاس ، یہ ہنگامۂ ہوس   ہر لمحہ میری زیست کا ہے کربلا مجھے
صدیوں سے میں سفر میں ہوں اپنی تلاش کے   ملتا نہیں کہیں سے بھی اپنا پتا مجھے

☆......☆......☆

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

معرکۂ حق و باطل میں اپنی جان بچالینا منافقت کا انتہائی درجہ ہے

فرمانِ عام واجبُ الاذعان

امیر المؤمنین، مجدد الملۃ والدین، محی السنن ماحی البدع والفتن، المجاہد فی سبیل اللہ، شہادت جاہ، سیادت پناہ، قیادت پائیگاہ، امامت بارگاہ

مولانا الامام الھمام سیدنا **سید احمد** شہید رحمۃ اللہ علیہ

پروردگار کا بندہ، سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا خادم، کل مسلمانوں کا خیر خواہ، امیر المومنین کے لقب سے پہچانا جانے والا یہ فقیر گزارش کرتا ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے یہ ایک عام اعلان ہے۔ خواہ وہ بڑے علماء ہوں خواہ غریب عوام، خواہ حاکم ہوں یا فقیر۔

محترم بھائیو! اس دنیا کے خالق نے انسانوں کی زندگی کا مقصد یہ متعین کیا ہے کہ وہ رب کی عبادت کریں اور سیدِ عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہو جائیں۔ نہ کہ کھیل کود کریں اور ناچ و رنگ میں ڈوبے رہیں۔ اصل کمال تو خداوند ذوالجلال کی رضا حاصل کرنا ہے نہ کہ شان و شوکت کے حصول کی کوشش، بڑے مراتب کا حصول، ہوا اور ہوس کی کثرت، مال و اسباب اور خزانوں کی وسعت وغیرہ۔ سعادتوں کی پونجی اور دونوں جہاں کا آرام اللہ تعالیٰ کے حضور میں جاہ وجلال کے درجے حاصل کرنا ہے نہ کہ ہم عصروں میں شان اور نام پیدا کرنا۔ عبادت گزار بندوں کا طریقہ یہی ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں اور ہر وقت خالق کی رضا جوئی میں مصروف رہیں۔ ہزار دل و جان کے ساتھ اپنے رب کی محبت کے متلاشی رہیں اور ہر محبوب کی محبت پر اس کی محبت کو ترجیح دیں اور ہر مطلوب سے بڑھ کر اس کی طلب رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْدَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبّاً لِلّٰهِ (البقرة:١٦٥)﴾

’’کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اس وحدہ لاشریک کا ہمسر ٹھہرا رکھا ہے وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے، جبکہ ایمان والے وہ ہیں جو ہر شے سے زیادہ شدید محبت اللہ سے کرتے ہیں‘‘۔

لیکن یہ مرتبہ اخلاص حاصل کرنا اور اس آیت کے تقاضوں پر کما حقہٗ عمل کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔

البتہ جو خاص و عام بھی دین اسلام سے تعلق رکھتا ہو، اتنا بہر حال اس کے ذمے ہے کہ جس وقت نور وظلمت میں جھگڑا ہو رہا ہو، کفر و اسلام میں مقابلہ جاری ہو، تو وہ ایمانی غیرت سے کام لے اور حمیت اسلامی پر چلے۔

جوکوئی ایسے حالات میں بھی اپنی جان حق کے لیے پیش نہ کر سکے اس نے بے شک منافقت کا انتہائی درجہ اختیار کرلیا۔
جس نے اس صورت میں بھی دین کی تائید نہ کی اس نے بلاشبہ رب العالمین کی مخالفت کا داغ اپنے فسادی ماتھے پر لگوالیا۔
جوکوئی اس موقع پر بھی معرکے سے غائب رہا، یقیناً اس کا ایمان خطرے میں پڑ گیا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنّما یستأذِنُک الّذین لایؤمنون باللّٰہ والیوم الأخر وارتابت قلوبھم فھم فی ریبھم یتردّدون (التوبہ:۴۵)﴾

”تجھ سے (معرکے سے ہٹ کر بیٹھے رہنے کی) اجازت طلب کرنے والے تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اوران کے دل شک میں پڑ گئے ہیں، تو اپنے شک کی حالت میں متردد ہو رہے ہیں“

(”سید احمد شہید اور ان کی تحریک مجاہدین“، از ڈاکٹر صادق حسین، ص:۸۵۰، عنوان: اعلامِ عام از جانب امیر المومنین سید احمد صاحب)

☆......☆......☆

مرزا محمد حسن چغتائی رحمۃ اللہ علیہ

ابن امیر شریعت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(یوم وفات: ۲۳ر اکتوبر ۱۹۹۵ء)

بخاری کے فرزند بُوذر کو دیکھو　　شجاعت کا پیکر، سیاست کا ماہر
علومِ شریعت کا رہوار ہے وہ　　وجاہت بزرگوں کی چہرہ سے ظاہر
خطابت میں اُس کا نہیں کوئی ثانی　　اثر اُس کا ایسا کہ جیسے ہو ساحر
بتِ کادیانی کا وہ سخت دشمن　　کہ ہیبت سے اُس کی ہے لرزندہ ناصر (۱)
روایاتِ احرار کا ہے امیں وہ　　رگوں میں ہے اس کی رواں خونِ طاہر

صحابہ کے دشمن ہوں یا اہلِ بدعت
سبھی اس کی یلغار سے مردہ خاطر

(۱) مرزا قادیانی کا تیسرا جانشین موسیو مرزا ناصر علیہ ما علیہ

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

حیات الاموات، نظریہ اسلام، اکابر علماء اسلام

از افادات مولانا سید نور الحسن بخاری، مولانا محمد امیر میانوی، مولانا اللہ یار خان رحمہم اللہ

سونے والا اور بیدار دونوں زندہ مگر نائم میں بیدار کی طرح زندگی کے آثار وعلامات نہیں۔ یہ اٹھ نہیں سکتا، چل پھر نہیں سکتا، کھا پی نہیں سکتا، افعال اختیار یہ کا صدور اس سے ممکن نہیں۔ اس سب کے باوجود اسے مردہ کوئی نہیں کہتا، ہر کوئی زندہ کہتا ہے۔ اسی طرح مرنے والے پر مردہ ہی کا اطلاق ہوتا ہے (سوائے شہدا کے کہ اللہ نے ان کو مردہ کہنے اور مردہ خیال کرنے سے حکماً منع کر رکھا ہے)۔ مرنے والے میں ایک نوع کی زندگی پیدا ہو جانے کے باوجود اسے زندہ کوئی نہیں کہتا ہر کوئی میت کہتا ہے۔ پھر ایک گونہ حیات کے باوجود قبر میں بدن کو نہ تو خوراک وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے نہ ہی اس کی حرکات اور اس پر واردات کا کسی کو علم واحساس اور مشاہدہ ہوتا ہے۔

قبر سے کیا مراد ہے۔ اللہ نے فرمایا **لاتقم علی قبرہ** منافق کی قبر پر کھڑے مت ہوئیے۔ ارشادات صحابہ و اقوال فقہا ومحدثین میں بھی قبر کا لفظ حسی قبروں کے لیے آیا ہے۔ تاہم اگر کوئی درندوں کی خوراک بن جائے۔ دریا سمندر یا آگ کا لقمہ بن جائے تو جہاں جہاں اس مرنے والے کے اجزاء، ذرات جسم ہوگا وہی اس کی قبر شمار ہوگی اور وہیں اس کو عذاب یا نعیم آخرت کی جھلک اور احساس میسر ہوگا۔ قرآن پاک میں قبر یا اس کا ہم مادہ لفظ آٹھ بار استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہی حسی قبر مراد ہے عالم برزخ یا احوال برزخ مراد نہیں۔ اسی طرح حدیث رسول میں بھی قبر کے لفظ سے قبر محسوس مراد لی گئی ہے۔ اور احادیث رسول میں عذابِ قبر اور شہودِ نعیم جنت دونوں روح مع الجسد کو ہوتا ہے۔ تاہم حیات، عذاب و ثواب کے لیے ڈھانچے کا محفوظ رہنا۔ اکابر اہل سنت محققین فقہا، محدثین و متکلمین کے نزدیک شرط نہیں، اجزائے متفرقہ میں بھی قدرت باری تعالیٰ سے حیات وعذاب کا اعادہ و تحقیق ممکن ہے اور حیات ایسے اجزائے بدن میں بھی پیدا کی جاتی ہے جن کو نگاہ محسوس نہیں کر سکی (شامی ص ۲۰۱، ۳۲۰)۔ ہم قبر میں کسی کے عذاب کا مشاہدہ نہیں کر سکتے کہ یہ عالم غیب کی چیز ہے۔ یہاں عقلی دلائل کی بحث جہالت ہے (فیض الباری ص ۴۷۶، ج ۲)۔ صوفیاء کے نزدیک عذابِ قبر بدن مثال کو ہوتا ہے مگر اس حقیقت کو خود سرتاج صوفیاء حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فرمایا ہے کہ **”ما ایشاں را معذور داریم وطاعت فکنیم۔ ایں جا وقول ابی حنیفہ و ابی یوسف وقول اما م محمد معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی و ابو الحسن نوری“** (مکتوبات)

قبر برزخ کا ایک حصہ ہے۔ برزخ کیا ہے؟ برزخ تین چیزوں سے عبارت ہے مکان، زمان، احوال۔ مکان قبر

سے علّیین تک جسے نیک روحیں آباد کرتی ہیں اور قبر سے سجّین تک جسے بدکار لوگوں کی روحیں آباد کرتی ہیں۔ زمان سے وہ مدت مراد ہے جو کسی انسان یا جن کے مرنے سے لے کر اس وقت تک ہے جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ **یوم یبعثون** ۔ اور حال سے یہ مراد ہے کہ وہ شخص انعام یافتہ ہوگا یا معذب ہوگا یا محبوس ہوگا کہ نکیرین کے سوال وجواب سے خلاصی پانے کے لیے پابند ہوگا (الحاوی للفتاوی ص ۳۲۷، ج ۲۔ از علامہ سیوطی)۔ مکان برزخ قبر سے علّیین تک اور قبر سے سجّین تک ہے یعنی علّیین اور سجّین کی ابتدا قبر سے ہوتی ہے اور قبر کا گڑھا علّیین یا سجّین کی حدود میں داخل ہے۔ اب یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ بہ فرمان نبوی قبر پر جا کر **السلام علیکم یا اھل القبو ر** کہا جاتا ہے تو روح اسے کیسے سنتی ہے جبکہ وہ تو علّیین یا سجّین میں ہے۔ معلوم ہو چکا کہ قبر میں علّیین یا سجّین کا نقطۂ آغاز ہے۔ میت پر انعام یا عذاب اسی وسیع مکان برزخ (قبر سے علّیین یا سجّین تک) میں شروع ہو جاتا ہے اب وہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بآسانی سمجھ میں آ گیا کہ **القبر روضة من ریاض الجنة أو حفرة من حفر النار** ۔ اس کے سوا نہیں کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا (الحدیث)۔ الحاصل کچھ عذاب قبر سے شروع ہو جاتا ہے پھر جہنم میں داخل ہونے پر پورا عذاب ہوگا (فیض الباری ص ۴۹۲، ج ۲)۔ المختصر قبر سے علّیین یا سجّین تک کا علاقہ اور موت سے حشر تک کا زمانہ برزخ کہلاتا ہے۔

امام ابن قیم کی ایک عبارت کے تحت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''ربّ العالمین اس سے کیسے عاجز ہے کہ جس پر چاہے قبر کشادہ کرے اور لوگوں کی نظر سے اسے پوشیدہ رکھے۔ وہ قادر ہے کہ ایک چیز لوگوں کو تنگ دکھائی دے حالانکہ وہ بہت کشادہ ہو۔ خوشبودار، نورانی اور روشن ہو۔ لوگ اس کو نہ دیکھ سکیں اسی طرح اس کے برعکس قبر کا تنگ یا فراخ ہونا عالم باطن کے اسرار میں سے ہے اہل دنیا کی آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں۔ نہ ان کی عقلیں اسے معلوم کر سکتی ہے۔ ہاں اہلِ کشف اولیاء اللہ دیدۂ باطن سے بسا اوقات اسے دیکھ لیتے ہیں (المصالح العقلیہ ص ۳۲۶) اور جن کے علم وعقل کی پہنچ وہاں تک نہیں وہ اسے جھٹلا دیتے ہیں۔ (کتاب الروح) کیا یہ حقیقت نہیں کہ جبریل علیہ السلام نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتے ان کو قرآن پڑھاتے مگر حاضرین نہ سن سکتے تھے نہ جبریل کو دیکھ پاتے۔ فرشتے بحکمِ الٰہی مختلف غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کرتے، کافروں کے جوڑوں پر مارتے ان کی گردنیں اڑاتے مگر عام مسلمان نہ ان کی باتیں سن سکتے نہ ان کو دیکھ پاتے اور یہ جنات ہمارے درمیان بلند آواز سے باتیں کرتے ہیں ہم نہیں سن پاتے (حوالہ بالا)۔

عالم برزخ کے احوال کو اللہ نے اپنی حکمت اور خصوصی رحمت سے مخفی رکھا ہے کیونکہ عام لوگوں میں ان حوادث کے دیکھنے سننے کی طاقت نہیں۔ بندہ کی بینائی اور قوت سماع عذاب کے مشاہدہ سے کمزور ہے۔ جن کو عذاب قبر دکھایا گیا ان میں سے اکثر بیہوش ہو گئے۔ ان پر غشی طاری ہوگئی۔ بعض کے دل پھٹ گئے۔ اور مر گئے اور بعض ایک عرصہ تک دنیوی زندگی سے متمتع نہ ہو سکے۔ (کتاب الروح)

محققین فرماتے ہیں ''ارواح جہاں بھی ہوں ان کا اجسام کے ساتھ اتصال ہوتا ہے جس کی حقیقت اللہ کے سوا

کوئی نہیں جانتا اسی اتصال کی بنا پر وہ سلام کا جواب دیتی سلام کرنے والے کو پہچانتی ہیں۔اسی اتصال سے ان پر ان کا ٹھکانا جنت یا جہنم پیش کیا جاتا ہے خواہ بدن بوسیدہ اور ذرہ ذرہ ہو جائے۔(کتاب الروح،شرح فقہ اکبر،روح المعانی،شرح الصدور،تفسیر مظہری)۔اسی اتصال و تعلق الروح بالجسد کو حیاۃ فی القبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔یہ نوعاً من الحیاۃ جمیع اموات سے متعلق ہے۔یہ انبیاء وصدیقین وصالحین سے مختص نہیں۔ان مقدسین کو تو علّیین میں نہایت بابرکت باسعادت تقرب والی حیاۃ حاصل ہے۔(شفاء السقام) اتحاد الروح بالجسد سے قبر میں جو حیاۃ تسلیم کی گئی ہے وہ دنیوی زندگی سے مشابہ نہیں اس سے مختلف ہے لیکن پیدا کر دیا جاتا ہے کہ اس سے عذابوں اور نعمتوں کا احساس ہو سکے اسی تعلق کو نہ صرف عرفِ عام میں بھی زندگی کہا جاتا ہے بلکہ عند اللہ اور عند الرسول بھی یہی تعلق زندگی ہے،(مفہوم تحفہ اثناعشریہ مطبوعہ ۱۲۹۵ء) البتہ حیاتِ قبر کو دنیا کی زندگی کی طرح سمجھنا غلط ہے۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جیسے سونے والے کا حال زندہ اور مردہ کے بین بین ہوتا ہے اسی طرح برزخ میں روح کا تعلق بدن اور اجزائے بدن سے ہوتا ہے۔نائم اور بیدار زندہ تو دونوں ہیں،روح دونوں میں برابر ہے مگر دونوں کی زندگی میں فرق ہے۔نائم زندہ ہے مگر اس کا حال زندہ اور مردہ کے بین بین ہے۔اسی طرح قبر کی زندگی زندگی تو ہے مگر دنیا کی زندگی کی طرح زندگی نہیں بس ایک گونہ زندگی ہے۔علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ مردہ کے اندر اس قسم کا ادراک پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ الم ولذت دکھ اور سکھ کا احساس کر سکے گویا وہ زندہ ہو گیا جامد مطلق نہ رہا۔صاحب نبراس ایک اور مثال سے سمجھاتے ہیں''روح کا تعلق بدن کے ساتھ ایسے قائم ہو جاتا ہے جیسے چوتھے آسمان سے سورج کی شعاعوں کا تعلق زمین سے قائم ہو جاتا ہے۔اور انسان وحیوان و نباتات کی زندگی کا سبب بن جاتا ہے۔صاحب قسطاس نے کہا اس سے موت کے اطلاق کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ زندگی حیات اور موت کے درمیان ہے،جیسے نیند موت اور حیات کے درمیان برزخی زندگی کو دنیوی زندگی کی طرح سمجھنا عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے''(تسکین الصدور) سونے والا شخص بظاہر ساکن ہوتا ہے مگر خواب کے تکلیف دہ یا سکون بخش اور لذت انگیز مناظر (بند آنکھوں کے باوجود) دیکھ رہا ہوتا ہے۔ان تکالیف ولذات کا اثر بسا اوقات بیداری پر بھی موجود ہوتا ہے (المسامرہ ص۱۱۸) یہ سب رنج وراحت لذت والم سونے والے کو محسوس ہوتا ہے۔پاس بیٹھے شخص کو یہ لذت وآرام محسوس نہیں ہوتے (کتاب الروح ص۸۸) مثلاً ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ جنگل میں ہے۔سامنے شیر آرہا ہے وہ ڈر کے مارے بھاگتا ہے چیخیں مارتا ہے۔بیدار ہونے پر محسوس کرتا ہے کہ اس کا جسم خوف کے مارے کانپ رہا ہے پسینے میں شرابور ہے۔اس تکلیف کا اثر بالذات تو روح پر ہوا۔مگر بالتبع جسم کو احساس ہوا جو لرزہ اور پسینے کی صورت میں ظاہر ہوا یہی صورت لذت انگیز اور مسرت بخش خوابوں کی ہے۔اس طرح دنیا میں احکام شرعی کا مکلّف بالذات بدن ہے اور بالتبع روح جبکہ برزخ میں بالذات روح پر عذاب وثواب کا اثر ہوتا ہے اور بالتبع بدن پر۔خواہ بدن کے ذرات منتشر ہو جائیں۔حیات بالذات روح کی صفت ہے بالتبع بدن کی اور عذاب وثواب کے لیے حیات شرط ہے اس لیے روح اور

بدن دونوں متاثر ہوتے ہیں۔روح بالذات اور بدن بالتبع ۔(حیاۃ برزخیہ ص ۱۱۸)

نیند کوموت اور بیداری کو حیات فرما کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح شام اس حقیقت پر بالاصرار والتکرار ایمان لانے اور اقرار دہرانے کا حکم دیا ہے۔فرمایا سوتے ہوئے کہو **اللھم باسمک اموت واحییٰ** ۔تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور زندہ ہوگا۔فصیح عربی کا دامن بے حد وسیع ہے **اموت واحییٰ** کی جگہ **انام واستیقظ** کہنے میں کیا حرج تھا۔اور فرمایا جاگنے پر اللہ کا شکر کرتے ہوئے کہو **الحمداللہ الذی احیانا بعد ما اما تنا والیہ النشور** ۔ کام بنانے کی ساری صفات اس اللہ کی ہیں جس نے مارنے کے بعد ہمیں پھر زندگی بخشی اور بالآخر اسی کی طرف اکٹھے ہونا ہے۔یہاں بھی سونے کوموت اور جاگنے کو حیات کہا۔کیا حرج تھا اگر احیانا کی بجائے ایقظنا اور اما تنا کی بجائے ارقد نا بتادیا جاتا مگر نہیں ہمیں نیند میں ایک تعلق روح کا ظاہری حیات کے اعمال کے انقطاع کا سمجھا کر ایک بہن نیند سے دوسری بہن موت کی طرف متوجہ کرنا مقصود تھا لہٰذا سونے جاگنے کی دعاؤں میں سونے کوموت اور بیداری کو **حیاۃ بعد الاماتۃ** فرمایا گیا تاکہ برزخی زندگی کی طرف اشارہ ہوجائے۔

اب رہا مسئلہ میت کے سننے کا روح کا تعلق بہت دور عالم ملکوت سے مقبور جسم کے ساتھ قائم ہوتا ہے اسی لیے احادیث میں اور عرف عام میں بھی میت کا ذکر کیا جاتا ہے یہ نہیں کہا جاتا کہ علّیین والی روح یا سجّین والی روح سنتی ہے بلکہ خطاب اہل قبور کو کیا جاتا ہے البتہ مردے سنتے نہیں سنائے جاتے ہیں ورنہ آدمی تو زندہ بھی چندفٹ کے فاصلے پر بات نہیں سن سکتا۔ہاں اللہ چاہے تو مسجد نبوی کے منبر سے حضرت عمر کی پکار الجبل الجبل سینکڑوں میل دور مجاہد صحابی کو محاذ پر سنا دیتا ہے۔غور فرمائیں ایک آدمی بہرہ تھا اللہ نے قوت سماع سلب کر لی تھی نہیں سن سکتا تھا۔نیند میں بھی نہیں سن سکتا تھا چادر سے پرے گھر کے اندر سے نہیں سن سکتا تھا۔اب مرگیا ہے منوں مٹی کے نیچے پڑا ہے۔نہ کوئی دریچہ ہے نہ کوئی سوراخ مگر اللہ چاہے تو سنا سکتا ہے اور اس طرح مردہ سن سکتا ہے اور جواب دے سکتا ہے۔دسیوں حدیثوں میں اہل قبور کو بہ صیغہ حاضر خطاب ہے۔اہل مقابر کو بہ صیغۂ حاضر سلام کہنے کی تلقین ہے۔بات ساری اللہ کے دکھانے سُنوانے کی ہے۔سیکڑوں میل دور مجاہد کمانڈر ساریہ کا محاذ اور صف بندی دکھا دی اور نہ دکھلایا تو مسجد نبوی کے اندر موجود ابولولو مجوسی ملعون قاتل کو نہ دکھایا۔مصر سے اپنے محبوب فرزند یوسف کی خوشبو اللہ نے چاہا تو سیکڑوں میل دور فراق دیدہ یعقوب علیہ السلام کو پہنچا دی لیکن نہ چاہا تو بستی کے باہر ویران کنوئیں میں پڑے یوسف کی خبر نہ ہوسکی۔اللہ چاہے تو کنکروں پہاڑوں کو بلوالے، کھجور کے خشک تنے کو فراق نبوی میں ذی شعور انسان کی طرح رلائے۔مردہ خود نہیں سن سکتا اس میں سننے کی صلاحیت نہیں، اللہ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں سنا سکتے مگر اللہ چاہے تو ہڈیوں کے چورہ اور مرنے والے کے منتشر اجزا، محروقہ وما کولہ اجزا کو سنا سکتا ہے۔اس قادر کے لیے کوئی امر ناممکن نہیں، مشکل بھی نہیں وہ تو **''علی کل شی قدیر''** ہے **''ان اللہ یسمع من یشاء''** قبروں والوں کو آپ نہیں سنا سکتے اللہ جسے چاہے سنا دیتا ہے۔اہل اسلام کی قبروں پر سلام کہنا نبی

علیہ السلام کا حکم ہے۔ سلام کہنے والے کی طاقت نہیں کہ اہل قبور کو سنا سکے نہ اہل قبور کو طاقت ہے کہ سن سکیں۔ ہاں سنانے والا خود اللہ رب العزت ہے۔ وہ سنا سکتا ہے سنا رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ سماع موتیٰ اصل میں تو خرق عادت ہے مگر ان مخصوص مواضع میں اللہ نے اسے عادت اور معمول بنالیا ہے۔ لہٰذا اب یہ کرامت نہیں عادت ہے۔ اور اب حسبِ ارشاد رسول مقبول علیہ التحیۃ والتسلیم، مردہ ولی ہو یا غیر ولی اسی طرح صاحبِ سلام ولی ہو یا غیر ولی ہو ہر ایک کا سلام سنتا ہے اور بطورِ کرامت ان مواضع کے علاوہ بھی سُنوانے پر اللہ قادر ہے۔ اللہ رب العزت کی لامحدود قدرت کے لحاظ سے سمندر میں راستے بنانا، یا دریاؤں پر اصحاب رسول علیہم الرضوان کے گھوڑے دوڑانا، پتھر سے پانی کے چشمے جاری کرنا، نارِ نمرود کو گلزارِ ابراہیم میں بدل دینا، لاٹھی کا اژدہا بنانا، اپنے نبی کی پھینکی ہوئی مٹھی بھر مٹی کو سارے لشکرِ اعدا کی آنکھوں میں پہنچا دینا اور اس طرح کے دیگر بے شمار معجزات و کرامات کی طرح سماع موتیٰ بھی اس عالم کے ضوابط کے خلاف سہی، مگر اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی خبر دی ہے تو ہم بہ صمیمِ قلب اس پر ایمان لائے ہیں۔ ظاہری آنکھ تو سوئے ہوئے انسان کے جسم پر خواب کے اندر واردات کو نہیں دیکھ سکتی، وہ مردہ انسان کے جسم پر قبر میں واردات کو کیا دیکھے گی۔ مقبور و مدفون انسان کے بدن پر وارد عذاب و نعمائے جنت کو دنیوی ظاہر بین آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ البتہ اللہ رب العزت جب چاہیں اپنے مقبول اور مقرب بندوں کو قبر کے اندر آلام و آرام اور عذاب و راحت مطلع فرما دیتے ہیں۔ عام آدمی کو ان باتوں کا علم نہیں ہوسکتا۔ لوگوں کو تو میت کی پکار ”قدّمونی قدّمونی“ اور ”این تقدّمو ننی“ کا علم و سماع بھی نہیں ہوتا حالانکہ نبی الحرمین صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں بالصراحت بتادی ہیں ایسے میں قبر کے اندر کے احوال و اعمال کا علم کسی کے بس میں کہاں؟

نیند میں روح نکال لی جاتی ہے تاہم اس کا تعلق بدن کے ساتھ برقرار رہتا ہے۔ نائم خواب کے اندر کھاتا پیتا چلتا پھرتا سیر و تفریح کرتا ہواؤں فضاؤں آسمانوں میں اڑتا پھرتا ہے۔ ساتھ بیٹھا انسان اسے بے حس و حرکت ساکت و جامد کہتا ہے بالکل اسی طرح موت کے بعد جب روح کا ایک طرح کا تعلق جسم کے ساتھ ہوجاتا ہے، عام آدمی فرق محسوس نہیں کرتا، لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ سلام سنتا اور جواب دیتا ہے۔ مخبر صادق نے ہمیں خبر دی ہے۔ اللہ اور رسول کی خبر پر بن دیکھے ہمارا ایمان ہے۔ پھر کبھی کبھی نائم کی بات ہمیں سنوا بھی دیتے ہیں اور اس کے رونے ہنسنے پر ہمیں مطلع فرما دیتے ہیں اسی طرح کبھی کبھی اللہ کریم جسد مقبور و مدفون کی تلاوت قرآن کی آواز اہلِ دنیا کو سُنوا دیتے ہیں۔ بہر طور حقائق برزخ ہمارے مشاہدہ سے بالا ہیں۔ ہمارے آنکھوں میں ان کے مشاہدے کی صلاحیت ہی نہیں۔ بس ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ایمان بالغیب کافی ہے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں جنت یا دوزخ کا ٹھکانہ جسم پر پیش کیا جاتا ہے اور روح کو جسم سے اتصال ہے انبیاء وشہدا و صالحین کی قبروں پر سلام کیا جاتا ہے حالانکہ ان کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں جسم کے ساتھ ان روحوں کے سریع اتصال کی کیفیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نائم کی روح اس کے جسم سے متصل رہتی ہے جس سے نیند میں عذاب و آرام محسوس ہوتا

ہے۔(شرح فقہ اکبرص ۹۰) اب میت کونائم پر قیاس کرلو۔ جب نائم کی روح نکل جانے کے بعد بدن سے اتصال رکھ سکتی ہے تو میت کی روح کا اتصال کیوں ممکن نہیں جبکہ قرآن وحدیث میں نیند کوموت ہی کہا گیا ہے۔ بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ''قبر میں بدن پر روح کی شعاعوں کے انعکاس کے سبب بدن سے روح کا تعلق پیدا ہوجاتا ہے''۔امام ابن قیم نے وضاحت فرمائی ہے کہ یہ خیال محض غلط ہے کہ روح بھی جسم کی طرح ایک مکان میں مکین ہوتی ہے۔اکثر لوگ اسی مغالطہ کا شکار ہوجاتے ہیں کہ وہ روح کواجسام کی جنس میں سے خیال کرتے ہیں جوایک جگہ کسی کام میں مشغول ہوتو اس کا دوسرا جگہ ہونا ممکن نہیں ہوتا۔روح کی شان بالکل دوسری سے ایک ہی وقت میں اعلیٰ علیین میں فوق السماء ہوتی ہےاوراسی وقت قبر کی طرف لوٹ آتی ہے۔اب دومیں سے ایک بات یہ کہ وہ اتنی سریع الحرکت سریع السیر ہے کہ پلک جھپکتے میں فوق السماء سے قبر تک آجاتی ہے، پھر چشم زدن میں اپنے مقام ومستقر کومنتقل ہوجاتی ہے، یا یہ کہ اپنے محل اور مقر پر رہتے ہوئے اسے قبر سے ایسا اتصال وتعلق ہے کہ شعاع شمس کا اصل وجود تو آسمان میں ہے لیکن شعاعیں زمین پر (حتیٰ کہ مکانوں کمروں کے اندر) پڑرہی ہیں اور کائنات کی زندگی کا سبب ہیں۔کوئی بھی شکل ہو، روح کا اپنے مستقل ٹھکانے پر رہتے ہوئے میت کے ساتھ تعلق ضرور ہے۔پھر علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ ''بدن میں روح پہنچ جاتی ہے خواہ ایک جز مشرق میں دوسرا مغرب میں ہو''یعنی اجزائے بدن خواہ کتنے باریک ہوں بکھرے ہوئے ہوں روح کا تعلق واتصال ان تمام اجزا سے ہوتا ہے البتہ یہ تعلق انبیاء، صدیقین، صالحین، عام مومنین اور کفار میں متفاوت ہوگا۔

امام بغوی نے اپنی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے فرمایا نیند کے وقت روح خارج ہوجاتی ہےاورجسم میں اس کی شعاع باقی رہ جاتی ہے، اسی سے انسان خواب دیکھتا ہے۔پھر جب انسان نیند سے جاگتا ہے تو روح پلک جھپکنے سے زیادہ تیزی کے ساتھ جسم کی طرف لوٹ آتی ہے (تفسیر معالم التنزیل تحت آیۃ: اللہ یتوفی الانفس) مشاہدہ بھی یہی ہے کہ نائم بے روح تو ہے مردہ نہیں۔نہ دیکھتا ہے، نہ سنتا ہے، نہ اٹھتا ہے، نہ بیٹھتا ہے، نہ بولتا ہے۔بے حس و حرکت، بے سدھ، بے خبر، بے شعور پڑا ہے۔اس لحاظ سے گویا مردہ ہے لیکن حقیقت میں مردہ نہیں۔اس کی نبض چل رہی ہے۔دل دھڑک رہا ہے دوران خون جاری ہے حالانکہ نائم کی روح بہ نص قرآن اللہ نے قبض فرمائی ہے۔بہ نص حدیث وہ عنداللہ عرش کے قریب ہے مگر اس کا کچھ تعلق جسم کے ساتھ ہے ضرور، جس کی وجہ سے جسم زندہ ہے مردہ نہیں۔اسی تعلق کی تعبیر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی کہ عندالنوم روح تو خارج ہوگئی تاہم اس کی شعاع فی الجسد باقی رہ گئی۔گویا روح کا تعلق واتصال جسم کے ساتھ برقرار ہے۔پھر اصل روح پلک جھپکنے سے زیادہ تیزی کے ساتھ عرش سے فرش پر واپس آتی ہے(**عادالروح الی جسدہ بأسرع من لحظۃ**) اورآدمی جاگ اٹھتا ہے۔جوروح نیند میں سریع الحرکت اوراسرع من لحظۃ ہوسکتی ہے، وہ نیند کی بڑی بہن موت کے وقت سریع الحرکت اور سریع السیر کیوں نہیں ہوسکتی؟ بحالت موت روح کا جسم کیساتھ شعاع کی شکل میں تعلق واتصال رکھنا اوراسرع من لحظۃ (پلک جھپکنے سے تیزتر) سیدنا علی کے ارشاد سے بھی

ثابت ہے اور مشاہدہ سے بھی۔

قاضی شمس الدین تحریر فرماتے ہیں ''ارواح طیبہ کا ابدان مبارکہ سے تعلق، جس کی کنہ ہم نہیں جانتے اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایمان کے لیے ہم اتنا کافی سمجھتے ہیں کہ ایک شخص یہ یقین کر لے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا سے رخصت ہونے کے بعد زندہ ہیں جس کی کیفیت اللہ ہی جانتا ہے''۔ (مسالک العلماء ص ۱۶۸) انبیا علیہم السلام کی ایک کثیر تعداد اور کروڑوں اولیاء وصلحاء کا سلسلہ دنیا میں گزرا ہے، مجاہدات کرنے والے بے شمار لوگ گزرے ہیں وہ سب اس امر کی زندہ شہادت ہیں، کشفی دلائل ان ساری باتوں کا فیصلہ کیے دیتے ہیں گو عقل ادراک نہ کر سکے۔ جیسے کان اگر دیکھ نہ سکیں تو ان کا کیا قصور ہے دیکھنا ایک اور قوت (آنکھ) کا کام ہے۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے صرف محسوس نہ ہونے سے کسی امر کا انکار عقل کی بدہضمی ہے'' (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۳۲۶)۔ امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے خلیفہ اعظم شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان ''أحیـآء'' حیات میت کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کے ساتھ سید الانبیاء خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں جسد اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے۔ مٹی کوئی اثر جسد اطہر پر نہیں کر سکتی۔ اللہ نے قبر میں ان کو وہ حیات دی ہے جو ان کی شان کے مناسب ہے۔ میں نے مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں کبھی اختلاف نہ سنا یہ تو اہل سنت کا ایک متفقہ حق مسئلہ ہے۔ مسکین نصیر الدین غورغشتوی (مقام حیات ص ۲۷۰) اور سُنیئے ''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے۔ اسی حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا صلواۃ وسلام آپ سنتے ہیں'' (ماھنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی) اس اعلان پر قاری محمد طیب قاسمی مولانا غلام اللہ خان اور قاضی نور محمد خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ کے دستخط ہیں۔ بمقام راولپنڈی مورخہ ۲۲/ جون ۱۹۶۲ء۔ مسلکِ اہل حدیث کے امام محدث اعظم مولانا سید نذیر حسین لکھتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں۔ لیکن ان کی کیفیت حیات کی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اوروں کو اس کی کیفیت بخوبی معلوم نہیں'' (ضمیمہ فتاوی نذیریہ) کیفیت میں بحث کی ضرورت ہی کیا ہے اجمالی ایمان کافی ہے سارے اکابر یہی فرماتے ہیں۔ (نور الحسن بخاری) باقی یہ خیال کہ نبی کریم کا ہمارا سلام سننا دواعی شرک میں سے ہے، جواباً عرض ہے کہ سلام سننا اور جواب دینا تو ہر صاحب قبر کے لیے بہ احادیث صحیحہ ثابت ہے تو پھر اللہ کے محبوب رسول علیہ السلام کا سماع وجواب کیوں داعیۂ شرک بنے گا؟ داعیۂ شرک تو یہ تصور ویقین ہے کہ اہل قبور ہماری پکار فریاد سنتے ہیں سو ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں، ہمیں نفع پہنچاتے یا نقصان سے بچاتے ہیں۔ ایسی نداء لغیر اللہ سے ہی قرآن وحدیث میں منع کیا گیا ہے۔

☆......☆......☆

شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ

جنگ یمامہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے ساتھ ہی جو سب سے بڑا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا وہ اسلام لا کر پلٹ جانیوالوں کا فتنہ تھا۔ ان میں بنو حنیفہ سب سے آگے آگے تھے۔ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کے پاس مال و اسباب بھی خوب تھا۔ اس لیے سارے عرب میں مرتدین کی کوئی بغاوت اتنی خطرناک نہیں تھی جتنی مسیلمہ کذاب کی۔ جب حضرت عکرمہ اور حضرت شرحبیل بن حسنہ سے کام نہ بنا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید کو خاص طور پر اس مہم کے لیے نامزد فرمایا۔ احتیاط کا یہ تقاضہ تھا کہ اسلامی لشکر کی حفاظت کا زیادہ سے زیادہ سامان کیا جائے چنانچہ حضرت سلیط [۱] کو بھی کمک دے کر روانہ کیا گیا۔ انھیں حکم ملا کہ:

خالد کے لشکر کے پیچھے پیچھے رہو اور پوری طرح چوکس تا کہ دشمن مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ نہ کر سکے [۲]

وادیٔ ریاض میں عقرباء کے مقام پر مسیلمہ اور حضرت خالد کا مقابلہ ہوا۔ اہل یمامہ کے پاس بہترین ہتھیار تھے جس میدان جنگ کا انھوں نے انتخاب کیا تھا اس کے چپے چپے سے وہ خوب واقف تھے۔ ان کے مورچے بنے ہوئے تھے اور انھیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کے لیے کس طرف ڈھکیلنا بہتر ہوگا [۳]

حضرت خالد نے بطاح کے مقام پر کچھ دیر رک کر اپنی فوج کا معائنہ کیا کچھ ہدایات دیئے اور آگے بڑھ گئے [۴]۔

مسیلمہ کا ایک ہراول دستہ جو شب خون مارنے نکلا تھا یمامہ کی گھاٹی کے پاس پکڑا گیا۔ اس جھڑپ میں مجاعہ مسلمانوں کے ہاتھ آیا جسے چھڑانے کے لیے اہل یمامہ بڑے بیقرار تھے۔

مسلمانوں کا علم عبداللہ بن حفص کے پاس تھا۔ ادھر زید بن خطاب اور ابوحذیفہ بڑھ بڑھ کر مسلمانوں کو لڑا رہے تھے [۵]۔ ادھر محکم اور رجال مسیلمہ کے دو بڑے جنرل اپنا سارا زور اس بات پر صرف کر رہے تھے کہ ان کی فوجیں جلد سے جلد حضرت خالد بن ولید کے خیمے تک پہنچ جائیں کیونکہ مجاعہ یہیں قید تھا [۶]۔ مسیلمہ کا حکم تھا کہ یمامہ کے اس سردار کو بہر صورت مسلمانوں کی قید سے چھڑا لایا جائے۔

لڑائی زوروں پر تھی کبھی مسلمان اہل یمامہ پر بھاری نظر آتے، کبھی مسیلمہ کی فوج مسلمانوں کو ان کے خیموں تک ڈھکیل دیتی۔ ایک ایسے ہی معرکے میں دشمن حضرت خالد بن ولید کے خیمے تک پہنچ گئے۔ مجاعہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ چاہتے تھے اس کی رسیاں کاٹ کر چھڑا لے جائیں کہ حضرت خالد اس موقع پر پہنچ گئے۔ خالد سیف اللہ تھے اہل یمامہ

ان کے نام ہی سے خوف کھاتے تھے جب انھوں نے یا محمد کا نعرہ لگایا تو دشمن کو کچھ ایسے گھبرائے کہ مجاعہ کو چھوڑ پیچھے ہٹ گئے بس دشمن کی یہ جھجک حضرت خالد کے لیے کافی تھی۔ زید بن خطاب، ثابت بن قیس، ابوحذیفہ، براء اور ابو دجانہ کو لے کر انھوں نے جوابی حملہ کیا اور اس زور شور سے کہ دشمن دبنے لگا جان یا آن کا معاملہ تھا اللہ کے سپاہیوں نے بڑھ چڑھ کر جان کی بازی لگادی ثابت بن قیس پکارے کہ:

مسلمانو! تم اللہ والے ہو اور یہ شیطان کے پیرو، غلبہ اللہ والوں کے لیے ہے [۷]۔ آؤ میرے ساتھ دیکھو میں کیسا لڑتا ہوں! اور مسلمانوں نے دیکھا کہ اللہ کا یہ سپاہی یوں دشمنوں پر ٹوٹ پڑا جیسے بجلی ٹوٹتی ہے۔

ادھر ابوحذیفہ چلائے کہ: اے قرآن والو! اپنے عمل سے قرآن کو زینت دو۔

اور اپنے عمل سے قرآن کو زینت دینے کے لیے جان کی بازی لگادی۔ بنوحنیفہ کے ایک بہت بڑے گروہ نے انھیں گھیر لیا یہاں کیا دیر تھی۔ چاروں طرف تلوار مارتے تھے۔ بپھر کر جب بھی پینترا بدلتے دشمن دہشت سے گر پڑتے۔ یوں اسلامی لشکر ان جیالوں کی قوت بازو کے بل پر آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ لیکن بڑی بھاری قیمت پر ابوحذیفہ شہید ہوئے۔ زید بن خطاب شہید ہوئے۔ عبداللہ بن حفص شہید ہوئے۔

اب حضرت خالد نے اعلان کیا کہ: ہر قبیلہ الگ الگ ہو کر لڑے۔ دیکھیں آج کون دشمن پر پہلے قابو پاتا ہے۔

جنگ کی بھٹی بری طرح سلگ گئی اور مسلمانوں نے دشمن کو تلوار کی نوک پر دھر لیا [۸]۔ ایسے کہ بنوحنیفہ کا کس بل جواب دے گیا۔

حضرت خالد نے دیکھا جنگ کا پانسہ پلٹ رہا ہے تو اپنے خاص دستے کو حکم دیا کہ: تیزی سے میرے ساتھ آگے بڑھو! دیکھتے رہنا کہ کوئی مجھ پر پیچھے سے وار نہ کرے!

اور اب جو سیف اللہ کے جوہر کھلے تو دشمن مبہوت ہو گیا۔ خالد دائیں بائیں ہاتھ چلاتے آندھی کی طرح آگے بڑھے۔ زبان پر رجز جاری تھا کہ: میں سرداروں کا فرزند ہوں مقابل پر جب میری تلوار اٹھتی ہے خون فشاں ہو جاتی ہے۔

وہ چاہتے تھے جنگ جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ اس کی ایک ہی صورت تھی کہ مسیلمہ کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے لے کر خالد دشمن کے قلب لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ دیکھا مسیلمہ گھوڑے پر سوار اپنے فدائیوں میں گھرا ہوا ہے تو انھوں نے اس کے جاں نثاروں کا حلقہ توڑا اور مسیلمہ کو للکارا۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ مسیلمہ کے حواری سنبھل نہ سکے حضرت خالد نے دیکھا ایک چھوٹے [۹] سے قد، پیلی رنگت اور عورتوں کے سے ناک نقشے کا آدمی سامنے ہے تو پکارے: مسیلمہ! آجا دو دو ہاتھ ہو جائیں!

مسیلمہ نے دیکھا خالد کی تلوار ہوا میں لہرا رہی ہے تو سمجھ گیا موت سر پر کھیل رہی ہے [۱۰]۔ چاہتا تھا صلح کی کچھ شرائط پر بات چیت کرے کہ حضرت خالد اس پر جھپٹ پڑے مسیلمہ اور اس کے ساتھی جان بچا کر بھاگے۔ محکم چلایا کہ: باغ میں گھس جاؤ، باغ میں!

بنو حنیفہ پاس کے ایک باغ میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔

حضرت براء اور حضرت ابو دجانہ یہ دیکھ کر فصلیں پر چڑھ گئے اور باغ میں کود پڑے [۱۱]۔

دشمنوں کے بیچ میں، موت کے منہ میں...... اللہ رے جگرداری دشمن بھی دنگ ہو گئے، بڑا گھمسان کا رن پڑا۔

مسلمانوں نے اپنے ساتھیوں کی یہ جرات اور ہمت دیکھی تو ان کے دل بڑھ گئے خود بھی باغ میں کود پڑے اور اب جو میدان جنگ گرم ہوا تو مسلمانوں کی تلواروں سے خون ٹپکتا تھا۔ آخر بنو حنیفہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ باغ جس میں یہ لوگ جان بچا کر گھس گئے تھے بعد میں حدیقۃ الموت کہلایا [۱۲]۔ یہیں محکم کو حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے قتل کیا اور مسیلمہ وحشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ وحشی اس لڑائی میں خاص طور پر اس لیے شریک ہوئے تھے کہ مسیلمہ کو مار کر حضرت حمزہ کو شہید کرنے کا کفارہ ادا کریں [۱۳]۔

جنگ ختم ہوئی تو یمامہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ ان کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ نصف سے زیادہ لشکر! [۱۴] مسلمانوں نے پھر ایک بار ثابت کر دکھایا کہ قوت ایمانی کے آگے نہ تعداد کی کثرت کوئی چیز ہے نہ تیغ و سناں کی بہتات کوئی چیز!

حاشیہ

[۱]۔ حضرت سلیط حضرت اسعد بن زرارہ کے بھانجے تھے۔ حضرت اسعد وہی تھے جنھوں نے مدینۃ النبی میں سب سے پہلے نماز جمعہ کا انتظام کیا۔ سلیط عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مہموں میں شریک رہے۔ وہی ہوذہ بن علی والیٔ یمامہ کے پاس حضور رسالت پناہ صلعم کا نامہ مبارک لے گئے تھے جس میں ہوذہ کو ایمان لے آنے کی دعوت دی گئی تھی یمامہ کے دارالحکومت الحجر میں مسیلمہ رہتا تھا۔ (موجودہ ریاض کے پاس) حضرت سلیط واقعہ جسر میں فرات کے پل کے پاس شہید ہوئے۔

[۲]۔ تاریخ طبری

[۳] ۔ اپنے پسندیدہ محاذ پر لڑنا ایک ایسی برتری ہے جس پر لڑائی کے نتائج کا بڑا انحصار ہوتا ہے مسیلمہ کو اس لڑائی میں یہ برتری حاصل تھی۔ اس کے پاس افرادی قوت بھی زیادہ تھی اور مسلمانوں کے مقابلے میں اس کی مالی حیثیت بھی بڑی مستحکم

تھی۔اس لیے ہتھیار اور رسد کی طرف سے اسے بے فکری حاصل تھی۔ارتداد کے فتنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر کے مدینہ سے باہر کے مسلمانوں نے اسلامی مملکت کے مالیاتی نظام کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔اس کے باوجود حضرت خالد نے لڑائی کا نقشہ اس طرح جمایا کہ دشمن اپنے دفاع کی ہر چال میں مات کھا گیا۔مسلمانوں کو اس وقت سب سے بڑی طمانینت یہ تھی کہ وہ اللہ کی زمین پر فساد کے ایک بڑے مرکز کا خاتمہ کرنے اور کمزور عورتوں بچوں اور مردوں کو قرآن کے حکم کے مطابق بچانے نکلنے تھے۔

[۴]۔بطاح میں رک کر کمکی فوج کا انتظار کیا گیا تھا۔اس کے آجانے کے بعد کوچ ہوا۔یہ کمک حضرت سلیط لے کے آئے تھے۔

[۵]۔دونوں مہاجرین کے دستوں کے سالار تھے۔انصار کی کمان ثابت بن قیس کے ہاتھوں میں تھی۔

[۶]۔وہ مسلمانوں کے ایک دستے سے جو بنو عامر پر مشتمل تھا اپنی پرانی رنجشوں کا بدلہ لینے نکلا تھا۔

[۷]۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سو رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے ہیں۔میں گھبرا گیا اور وہ مجھے پسند نہ آئے تو مجھے حکم ہوا کہ میں ان پر پھونک ماروں میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔

تعبیر اس کی یہ تھی کہ دو وہ جھوٹے نبی نکلیں گے اور مارے جائیں گے۔ایک اسود عنسی تھا جسے فیروز نے یمن میں قتل کیا دوسرا مسیلمہ کذاب تھا۔(بخاری)۔

[۸]۔جنگ کا پانسہ پلٹنے میں مجموعی طور پر بدری صحابہ کا زیادہ ہاتھ تھا۔اس مہم کے لیے جب لشکر مرتب کیا جانے لگا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بطور خاص ایسے مجاہدوں کی بھرتی کی جو زیادہ سے زیادہ دین کی باتیں جانتے تھے۔حافظوں اور قاریوں کو بڑی تعداد اس لڑائی میں شریک ہوئی تھی۔

[۸]۔طبری۔پست قد زرد رو اور ننکٹا (ابن اثیر)۔

[۱۰]۔حضرت خالد نے اسے انفرادی لڑائی کے لیے للکارا تھا۔وہ مقابلے کے لیے نکلا تو لیکن صلح کی شرائط پر گفتگو کرتے کرتے۔حضرت خالد کی جست و خیز دیکھ کر اپنی جان بچا کر بھاگا اور لڑائی اب آخری مرحلے میں داخل ہوگئی۔حضرت خالد نے جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لیے تین تدبیریں اختیار کیں۔(الف) قبیلہ داری بنیاد پر صف بندی کر کے مجاہدوں کے جذبات کو ابھارا۔(ب) خود مبارزت طلب کر کے اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھائی اور دشمن کے نبرد آزماؤں کو قتل کیا۔اپنے بہادروں کو مارے جاتے دیکھ کر بنو حنیفہ کا حوصلہ گر گیا۔(ج) تیز و تند جارحانہ اقدام جس کی وجہ سے دشمن باغ میں قلعہ بند

ہونے کے باوجود بچ نہ سکا۔

[۱۱]۔طبری اقوام یمامہ کے واقعات براء بن مالک ابن اثیر (خلافت راشدہ، جنگ یمامہ، براء بن مالک) اسد الغابہ، جلد دوم صفحہ ۱۳۵۳ ابودجانہ

[۱۲]۔فتوح البلدان: مسلمانوں نے باغ کا دروازہ کھول دیا تھا اس کے بعد جو رن پڑا وہ یمامہ والوں کے لیے قیامت خیز ثابت ہوا۔

[۱۳]۔بخاری (باب مغازی)۔

[۱۴]۔چھ سو ساٹھ مسلمان شہید ہوئے (ابن اثیر) مسلمانوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا تھا کہ اس لڑائی میں ستر حفاظ اور قاری شہید ہوئے۔حضرت زید بن ثابت کی روایت ہے کہ اسی سانحے کے بعد کلام اللہ کتابی صورت میں جمع کیا گیا۔یہ خیال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں آیا۔(ابوداؤد۔بخاری)۔ڈوزی نے لکھا ہے باغ موت میں دس ہزار مرتدین مارے گئے یہ جملہ مقتولین کی تعداد نہیں ہے۔مرتدین کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جو احکامات تھے اس میں ڈوزی نے تحریف کی ہے اور لکھا ہے کہ مرتدین کو تلوار سے آگ سے اذیت دے کر بے رحمی سے ہلاک کیا جائے۔(تاریخ مسلمانان اسپین کتاب اول فصل دوم) اسلام اذیت سے ہلاک کرنے کو سخت منع کرتا ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔(ماخوذ: رزمِ حق وباطل)

☆......☆......☆

ابو مروان معاویہ واجد علی ہاشمی

کربلاء میں مرکبِ حسین رضی اللہ عنہ

ذوالجناح دو کلموں سے مرکب ہے۔ ایک ''ذو'' دوسرا ''جناح''۔ ''ذو'' عربی میں صاحب کو کہتے ہیں، اور ''جناح'' پر یا بازو کو کہتے ہیں۔ ذوالجناح کا معنی ''صاحبِ پر'' یعنی اڑنے والا بنا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سفرِ کربلا میں مرکب حسینی کا نام ہے، مگر اس نام سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کسی سواری کا ذکر تاریخی مصادر میں کہیں نہیں ملتا۔ اس بات کا اعتراف ایک بہت بڑے شیعہ مؤرخ، صاحبِ ناسخ التواریخ نے بھی (جز دوم جلد ششم صفحہ ۳۶۶ مطبوعہ تہران) کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''واضح ہو کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سواری معتبر کتابوں میں دو ناموں سے مذکور ہے۔ ایک گھوڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کا نام ''مرتجز'' تھا دوسری سواری اونٹ تھی۔ جس کو ''مسنّات'' کہتے تھے۔ گھوڑا...... جسے ذوالجناح کا نام دیا گیا ہے۔...... حدیث و اخبار اور تاریخ کی کسی معتبر کتاب میں، میں نے اس کا نام نہیں دیکھا''۔

توضیح:　فاضل شیعہ مؤرخ کی مذکورہ تحریر سے چند امور ثابت ہوئے......

۱۔　حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دو سواریاں تھیں ایک گھوڑا اور دوسری اونٹنی۔

۲۔　''مرتجز'' نامی گھوڑا در اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ملا۔

۳۔　احادیث، اخبار اور تاریخ کی معتبر کتابون میں ذوالجناح نام گھوڑے کا کوئی اتا پتا نہیں۔

۴۔　سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے کسی گھوڑے کا نام ذوالجناح نہیں اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے مرتجز کا نام ذوالجناح ہے۔

کیا واقعہ کربلا میں یہ دونوں سواریاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں؟

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مدینہ سے مکہ مکرمہ جانا اور پھر مکہ سے کوفہ کا ارادہ کر کے سفر پر روانہ ہونا جنگ و جدال کے لیے نہ تھا۔ اہل و عیال جس میں بچے اور عورتیں بھی تھیں کو ساتھ لے لینا اس کی بیّن دلیل ہے کہ آپ کسی سے لڑنے نہیں جا رہے تھے اور ایسا سفر جنگ و جدال کا نہیں ہوا کرتا جو عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیا جائے۔ جب ہم عربوں کے واقعات سفر کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اونٹوں کی بجائے گھوڑوں کا استعمال اسی وقت پسند کرتے تھے جب کہیں گھوڑ دوڑ کے لیے، کسی معرکے کے لیے یا کسی خوشی کے موقع میں شرکت کرنے کا ارادہ ہوتا، غرض سبک روی سی حرکت پیشِ نظر ہوتی، آپ کا یہ سفر کربلا نہ گھوڑ دوڑ کے لیے تھا اور نہ ہی خوشی کے لیے گھر سے باہر روانگی تھی۔ اس سفر میں

اونٹ ہی آپ کی سواری تھے گھوڑوں پر یہ سفر نہیں کیا گیا، نہ اس سفر میں گھوڑے آپ کے ساتھ تھے کوفہ کی طرف روانگی کے وقت بھی خاندان اہل بیت رضی اللہ عنہ سواریاں اونٹ ہی تھے۔

مکہ سے روانگی کے وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سواری اونٹنی تھی:

ذبحِ عظیم، بحوالہ مقتل ابی مخنف، مکتبہ رضویہ شاہ عالم مارکیٹ صفحہ ۲۵۵، پر شیعہ مؤرخ نے یہ روایت نقل کی ہے:

''**کان وقت السحر عزم السیرالی العراق فأخذ محمد بن حنفية زمام ناقته**'' ترجمہ: جب سحری کا وقت ہوا آپ نے عراق کی طرف سفر کا عزم فرمایا تو جناب محمد بن حنفیہ رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لی۔ اس روایت سے ہی ثابت ہوا کہ مکہ سے روانگی کے وقت آپ کی سواری اونٹنی تھی۔

یہی حوالہ اور بھی کئی شیعہ کتب میں ملاحظہ فرمائیں:

۱: مقتل لہوف، مصنف سید ابن طاؤس، طبع: اسلامک بک سنٹر، اسلام آباد۔ صفحہ ۵۰

۲۔ احسن المقال منتہی الآمال، صفحہ ۴۱۷، مصنف: شیخ عباس قمی چھٹی فصل

۳۔ جلاء العیون، جلد دوم، صفحہ ۲۰۷، مصنف ملا باقر داماد مجلسی

۴۔ خطبات فرمودات ومکتوبات، مؤلف: محمد صادق نجمی قم ایران، صفحہ ۱۰۹، طبع: دارالثقلین کراچی

۵۔ نفس المہموم، صفحہ ۱۴۵، مؤلف: شیخ عباس قمی، ناشر ولی العصر ٹرسٹ، رتہ متہ ضلع جھنگ

۶۔ مشہور زمانہ شیعہ مؤرخ، شیخ مفید اپنی کتاب ''الارشاد'' میں لکھتے ہیں:

پس فرزدق شاعر سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی ماں کے ساتھ ۶۰ ھ میں حج کیا میں اپنی ماں کا اونٹ کھینچے چلا آرہا تھا۔ جب میں حرم میں داخل ہوا تو اچانک میری ملاقات حضرت حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی وہ تلواروں اور ڈھالوں کے ساتھ مکہ سے خارج ہو رہے تھے۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ اونٹوں کی قطار کس کی ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ حسین ابن علی کی۔ (الارشاد، شیخ مفید، صفحہ ۳۲۶، سفرِ امام، مکہ سے عراق)

مشہور شیعہ مقاتل صاحب ذبحِ عظیم نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۱ پر لکھا ہے کہ فرزدق کی ملاقات کے حالات تمام تاریخوں میں درج ہیں اور اس قدر مشہور ہیں کہ کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ (ذبحِ عظیم)

۷۔ علامہ طبری نے اپنی کتاب کی چوتھی جلد، مترجم حصہ اول، صفحہ ۱۷۸ پر اس ملاقات کی تفصیل کو بیان کیا ہے یہاں اس کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں

آپ جب مقام صفاح تک پہنچے تو فرزدق بن غالب شاعر نے آپ کو ٹھہرایا...... حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ یہ تو بیان کرو کہ لوگوں کو تم کس حالت میں چھوڑ کر آئے ہو فرزدق نے عرض کیا: لوگوں کے دل آپ کی طرف

مائل ہیں اور تلواریں ان کی بنی امیہ کی اعانت کے لیے ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے سچ کہا یہ کہہ کر حسین رضی اللہ عنہ نے اونٹ کو آگے بڑھایا السلام علیک کہا اور دونوں آدمی اپنے اپنے راستہ پر چل کھڑے ہوئے۔ (تاریخ طبری اردو نفیس اکیڈمی کراچی جلد ۴ رصفحہ ۱۷۸)

دوران سفر قافلہ حسینی رضی اللہ عنہ کے پاس اونٹ ہی تھے:

شیخ مفید مشہور شیعہ مؤرخ ہیں۔ اپنی کتاب الارشاد کے صفحہ ۳۲۷ پر لکھتے ہیں: ''پھر وہاں سے چل کر مقام تنعیم پہنچے تو آپ کی ملاقات یمن سے آنے والے ایک قافلہ سے ہوئی۔ پھر آپ نے قافلہ والوں سے کچھ اونٹ اپنے سامان اور ساتھیوں کے لیے کرایہ پر لیے اور ان سے کہا جو ہمارے ساتھ عراق تک جانا چاہتا ہے۔ ہم اس کو پورا کرایہ دیں گے اور اس سے اچھا سلوک کریں گے اور جو راستہ میں ہم سے جدا ہونا چاہے گا ہم اس کو اتنا کرایہ دیں گے۔ جتنا اس نے راستہ طے کیا کچھ لوگ آپ کے ساتھ چل پڑے اور باقیوں نے انکار کیا''۔ ملاحظہ ہو

(۱) الاشاد صفحہ: ۳۲۷　　　　(۲) منتہی الآمال جلد ۱ رصفحہ ۴۱۹، ۴۱۸

(۳) طبری جلد ۴ صفحہ ۱۷۸/۱۷۷　　　　(۴) جلاء العیون صفحہ ۲۰۹

لشکر ابن سعد سے امام کا خطاب اور اونٹنی:

جب لوگ آپ کے قریب آگئے تو آپ نے اپنا ناقہ طلب کیا اور اس پر سوار ہوئے اور بلند آواز میں آپ نے پکار کر فرمایا، جسے اکثر لوگوں نے سنا۔ ''لوگو میری بات سن لو! میرے ساتھ جلدی نہ کرو۔ جو باتیں تم سے کہنا ضروری ہیں، مجھے کہہ لینے دو اور لوگوں کے پاس چلے آنے کا عذر مجھے کر لینے دو۔ اگر تم میرے عذر کو مان لو گے میری بات کو سچ سمجھو گے، میرے ساتھ انصاف کرو گے تو تم نیکی حاصل کرو گے اور پھر مجھ پر الزام نہ دھر سکو گے'' ....

(۱) طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۲۰۹/۲۰۸　　　　(۲) نفس المہموم صفحہ ۲۱۶

یہ خطبہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اونٹنی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا یعنی دوران جنگ آپ کے پاس اونٹنی ہی تھی۔

میدان کربلاء میں بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اونٹنی ہی تھی:

۱:　عن القاسم بن اصبغ بن نباته قال حدثنی من شهد االحسین فی عسکره ان الحسین حین غلب علیٰ عسکره رکب المسنات .

ترجمہ:　قاسم بن اصبغ بن نباتہ کہتا ہے کہ میں نے ایسے شخص سے سنا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھا کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا لشکر مغلوب ہو گیا تو آپ مسنات نامی اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ (۱۔ طبری جلد ۶ رصفحہ ۲۵۸ تحت ۶۱ ھ طبع بیروت + مترجم طبری جلد ۴ رصفحہ ۲۲۸ (۲) نفس المہموم مولف عباس قمی صفحہ ۲۱۹)

۲: ......''پھر آپ نے اپنے ناقہ کو بٹھایا اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا اور اس نے اس کا پاؤں رسی سے باندھ دیا''

(طبری جلد چہارم مترجم صفحہ ۲۱۰ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی)

۳: ......''یہ کہہ کر آپ نے ناقہ کو بیٹھا دیا عقبہ بن سمعان کو حکم دیا انھوں نے ناقہ کو باندھ دیا اب دشمنوں نے آپ پر حملہ کرنا شروع کیا''

۴: مقتل ابی مخنف صفحہ ۵۵ طبع نجف اشرف ایران میں بھی یہ روایت موجود ہے: **أناخ راحلته و أمر عقبة بن سمعان أن يعقلها بفاصل زمامها** ۔ترجمہ: پھر آپ نے اونٹنی بٹھائی اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اس کی فالتو مہار سے اس کے گھٹنے باندھ دو۔

۵: شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد قافلہ حسینی رضی اللہ عنہ کو لوٹتے وقت بھی دیگر سامان کے ساتھ اونٹوں کا ذکر موجود ہے۔'' آپ جو لباس پہنے ہوئے تھے وہ بھی لٹ گیا بحر بن کعب نے پائجامہ لیا، قیس بن اشعث نے چادر لی، اسود نے نعلین آپ کی اتارلیں، بنی نہشل کے ایک شخص نے تلوار نکال لی۔ پھر یہ لوگ درس (زعفران) اور پوشاک اور اونٹوں کی طرف جھکے اور یہ سب چیزیں لوٹ لے گئے'' (طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ: ۲۳۰)

طبری کی اس روایت میں بھی شہادت کے بعد قافلہ حسینی رضی اللہ عنہ کے مال واسباب کو جب لوٹا گیا اس میں بھی اونٹوں ہی کا ذکر موجود ہے گھوڑوں کا نہیں۔

۶: شیعہ کی ایک معتبر ترین کتاب بحارالانوار میں آیا ہے:

فقال هذا موضع كربلاهذا مناخ ركابنا ومحط رحالنا ومقتل رجالنا ومسفك دمائنا

ترجمہ: فرمایا کہ یہ کربلا ہے یہ جگہ ہمارے اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے اور ہمارے کجاوے رکھنے کی جگہ ہے اور ہمارے مردوں کی شہادت گاہ اور ہمارے خون گرنے کی جگہ ہے۔ (بحارالانوار جلد ۴۴، صفحہ ۳۸۳، مطبوعہ تہران)

یہی روایت شیعہ کی اور دوسری دو معتبر کتب میں بھی موجود ہے (ا: کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ مطبع تبریز ایران صفحہ: ۳۴۷۔ /۲: مناقب شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۱۰۰۳ ا طبع جدید ایران قم)

۷: اخبار الطّوال صفحہ ۲۵۳ طبع جدید بیروت

یہ شیعہ کی ایک اور معتبر ترین کتاب ہے جس میں ہے کہ حضرت حسین نے پوچھا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا کہ کربلا۔ فرمایا: مصیبت کی جگہ، میرے والد گرامی جب صفین کی طرف جارہے تھے میں بھی ان کے ہمراہ تھا، آپ کا جب یہاں سے گزر ہوا تو اکچھ دیر کے لیے ٹھہر گئے اس جگہ کے بارے میں پوچھنے لگے تو آپ کو اس کا نام بتایا گیا آپ نے فرمایا کہ یہ جگہ ان (شہید کربلا) کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور یہاں ان کا خون گرے گا''

اس روایت کے راوی خود دو آئمہ رحمہما اللہ ہیں اور بقول اہل تشیع ائمہ کو علم لدنی اللہ تعالیٰ عطاء کرتے ہیں شیعہ عقیدہ کے مطابق اللہ سے براہ راست علم حاصل کرنے والے دو ائمہ (سیدنا علی وحسین رضی اللہ عنہما) کیسے غلط کہہ سکتے ہیں۔ دونوں شیعہ امام یہاں اونٹوں کا ذکر کر رہے ہیں اور شیعہ ذاکر اور مجتہد کہتا ہے کہ کربلاء میں امام کے پاس ذوالجناح تھا۔ کس کی بات مانی جائے۔ یقیناً ائمہ کرام رضی اللہ عنہما کی ہی بات معتبر ہے۔ فیصلہ اہل انصاف خود کر لیں۔

۸: کاروان شہادت صفحہ ۲۳۱ ناشر مکتبہ الہادی اسلام آباد

یہ عصر حاضر کے ایک فاضل شیعہ مصنف علامہ محمد علی فاضل کی تالیف ہے۔ اس کے صفحہ ۲۳۱ پر امام محمد باقر علیہ الرحمہ کے ذریعے بیان ہونے والا امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا فرمان روایت ہوا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ہمراہ آگے بڑھے اور مقذ فان نامی جگہ پر پہنچے تو فرمایا: ''یہاں پر دو سو نبی اور اولاد پیغمبر شہید ہوئے ہیں اور یہ عاشق الٰہی شہدا کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور یہ شہدا کے قتل ہونے کا مقام ہے ان سے پہلے لوگوں کو ان پر سبقت حاصل ہے۔ نہ بعد میں آنے لوگ ان کو مل سکتے ہیں''

اس روایت میں بھی دو ائمہ جناب سیدنا محمد باقر رحمتہ اللہ علیہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ اپنے ہی دو ائمہ کی روایت کو شیعہ کیسے غلط کہہ سکتے ہیں۔ اس میں بھی اونٹوں ہی کا ذکر موجود ہے گھوڑوں کا ذکر نہیں

خلاصۂ کلام:

اب یہاں اس پورے کلام کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

۱: حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی دو سواریاں تھیں، مرتجز اور مسنات۔ حدیث، اخبار، تاریخ کی کسی بھی کتاب میں ذوالجناح نام کے گھوڑے کا کوئی اتا پتا نہیں ہے۔

۲: واقعہ کربلا میں آپ اور قافلہ والوں کے پاس اونٹ تھے گھوڑے نہ تھے۔

۳: مکہ سے روانگی کے وقت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سواری اونٹنی ہی تھی بلکہ تمام قافلہ حسینی رضی اللہ عنہ کے پاس اونٹ تھے۔ جن پر بچے عورتیں اور ساز و سامان تھا۔

۴: محمد بن حنفیہ رحمتہ اللہ علیہ نے آکر آپ کے ناقہ (اونٹنی) کی مہار پکڑی گھوڑے کی لگام نہیں۔

۵: فرزوق شاعر سے ملاقات کے وقت بھی اونٹ کی قطاروں کا تذکرہ ملتا ہے۔

۶: دوران سفر بھی قافلہ حسینی رضی اللہ عنہ کے پاس اونٹ ہی تھے اور راستہ میں بھی مزید اونٹ کرائے پر حاصل کیے گئے اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ قافلہ حسینی رضی اللہ عنہ کے پاس گھوڑے بھی تھے، تو یہ ایک ہی قافلہ میں مطابقت ہی نہیں رکھتا کیونکہ اونٹ اور گھوڑے کی رفتار میں فرق واضح ہوتا ہے تمام اخبار تاریخ اور مقاتل کی کتب میں مقام تنعیم پر قافلے کے

لیے کرائے پر اونٹ لینے کا ذکر موجود ہے۔

۷: ابن سعد کے لشکر سے خطاب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اونٹی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا تھا۔

۸: عین لڑائی کے وقت بھی عقبہ بن سمعان نے اونٹنی کا پاؤں رسی سے باندھا۔

۹: طبری کی روایت کے مطابق میدان کربلاء میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اونٹنی ہی تھی۔

۱۰: آپ کی شہادت کے بعد آپ کا لباس پائجامہ تلوار نعلین چھینے گئے تو زعفران پوشاک اور اونٹ بھی چھینے گئے۔

۱۱: حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور محمد باقر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے بلکہ خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اپنی روایت سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپسی پر مقام کربلا میں آئے تو فرمایا یہ کربلا ہے یہ جگہ ہمارے اونٹوں کے بٹھانے کی جگہ ہے اور یہ ہمارے کجاوے رکھنے کی جگہ ہے۔ اور ہمارے مردوں کے شہادت گاہ اور ہمارے خون گرنے کی جگہ ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہاں دوسو نبی اور اولادِ پیغمبر شہید ہوئے ہیں۔

۱۲: مکہ سے کربلا تک کل ۳۱ منزلیں تھیں جس کا کل فاصلہ ۸۰۰ سو عربی میل بنتا ہے اتنا لمبا سفر گھوروں پر نہیں اونٹوں پر ہی طے کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر جبکہ بچے اور عورتیں بھی ساتھ موجود ہوں۔

مسافرانِ آخرت

● ملتان میں ہمارے معاون جناب عبدالواحد قریشی (سبحان اللہ نان قلچہ، کینٹ بازار) کے والدِ گرامی جناب محمد مرسلین قریشی، انتقال ۲۵ اگست ● چیچہ وطنی میں ہمارے قدیم معاون اور عبداللطیف خالد چیمہ کے دوست جناب سردار محمد نسیم ڈوگر کی والدہ ماجدہ ۵ ستمبر کو انتقال کر گئیں۔ ● احمد پور شرقیہ سے ہمارے کرم فرما اور عزیز دوست جناب سید محمد ارشد بخاری ایڈووکیٹ کے بھانجے انتقال کر گئے ● مجلسِ احرارِ اسلام کے باوفا کارکن، بستی اسلام آباد رحیم یار خان کے مولانا عبد الخالق، انتقال ۸ ستمبر ● جماعۃ الدعوۃ پاکستان کے مرکزی رہنما جناب قاری محمد یعقوب شیخ کی ہمشیرہ صاحبہ ۱۷ ستمبر کو انتقال کر گئیں مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ اور قاری محمد یوسف احرار نے تعزیت کا اظہار کیا ہے، قاری محمد یوسف احرار نے مرکز القادسیہ جا کے قاری محمد یعقوب شیخ سے تعزیت کی ● چیچہ وطنی میں مولانا محمد شہباز حسین کی والدہ ماجدہ ۱۱ ستمبر جمعۃ المبارک کو انتقال کر گئیں ● چیچہ وطنی میں ہمارے معاون محمد اسلم کے والدِ گرامی محمد اسماعیل گزشتہ دنوں انتقال کر گئے ● چیچہ وطنی (چک نمبر 22/11L) کے قدیم ذمہ دار کارکن مولانا شاہد محمود احمد کی نومولود بیٹی گزشتہ دنوں انتقال کر گئی۔

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام فرمائیں (ادارہ)

خالد ہمایوں

آغا شورش کاشمیری پر تحقیق مزید

کوئی اڑھائی تین ہفتے قبل میں ایک پی ایچ ڈی مقابلہ بعنوان: ’’آغا شورش کاشمیری بحیثیت صحافی‘‘ پر کالم لکھ کر فارغ ہوا تھا کہ اگلے روز اتفاق سے جناب راشد مجازی سے ملاقات ہوگئی۔ وہ آج کل ماہنامہ ’’قومی ڈائجسٹ‘‘ کے مدیر ہیں ان کے ہاتھ میں عبدالستار چودھری کی کتاب ’’غیروں کی جیلیں اپنوں کی جیلیں‘‘ دکھائی دی۔ یہ کتاب میری نظر سے ابھی تک نہیں گزری تھی۔ اس میں پاکستانی صحافت وسیاست سے وابستہ کئی شخصیتوں کے ایام اسیری کی سرگزشتیں شامل ہیں۔ وہیں بیٹھے بیٹھے میں نے ورق گردانی کی تو معلوم ہوا کہ ایک باب آغا شورش کے احوال زنداں پر رقم کیا گیا ہے۔

آزادی کے بعد آغا شورش صاحب کو یہ امتیاز حاصل رہا کہ وہ پاکستانی صحافیوں کی صف اوّل کی کھیپ میں اس حوالے سے ممتاز ترین صاحب قلم تھے، جنھوں نے تحریک آزادی میں سب سے زیادہ قید وبند کے مرحلے دیکھے تھے۔ تقسیم کے بعد بھی وہ حق گوئی اور بیباکی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ قدرت نے انھیں انشاء پردازی کا ملکہ بھی عطا کر رکھا تھا۔ ان کی وفات (اکتوبر ۱۹۷۵ء) تک ان کے طرز انشاء کے مداحوں کا ایک وسیع حلقہ قائم رہا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ باقاعدہ طور پر کسی جماعت سے وابستہ نہ تھے۔ لیکن جب کوئی حکومت ان پر جیل کے دروازے کھولتی یا ان کے رسالے ’’چٹان‘‘ پر پابندی لگاتی اور پریس ضبط کر لیتی تو پورے ملک میں احتجاج کی ایسی زبردست لہر اٹھتی کہ حکومت اپنے جھوٹے مقدمے واپس لے کر انھیں رہا کرنے پر مجبور ہو جاتی۔ آغا صاحب کو تمام سیاسی، صحافتی اور دینی حلقوں میں احترام حاصل تھا۔ خطابت کے حوالے سے انھیں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا سچا جانشین تصور کیا جاتا تھا۔ شاہ صاحب نے جرأت اظہار کی پاداش میں جتنی قید کاٹی اس بارے میں ان کا یہ کہنا عین امر واقعہ تھا کہ ’’میری آدھی عمر جیل میں اور آدھی ریل میں کٹ گئی‘‘۔

عبدالستار چودھری نے اپنی کتاب میں آغا صاحب کے احوال زنداں ۲۷ صفحات میں بیان کیے ہیں۔ لیکن ایک تو واقعات کے انتخاب اور پیشکش میں کسی اچھے ذوق کا مظاہرہ نہیں کیا۔ دوسرے حالات وواقعات بیان کرتے ہوئے احتیاط نہیں برتی۔ ماخذ تو آغا صاحب کی اپنی تحریریں ہی ہیں جو سب دستیاب ہیں۔ ان سے قید وبند کے شدائد کی تفصیلات لیتے ہوئے ضروری تھا کہ ہر واقعہ کا پس منظر اور پیش منظر ٹھیک ٹھیک نظر کے سامنے رکھتے۔ ایسا محسوس نہ ہوتا کہ کتاب کے فاضل مرتب نے ایسے ہی چند اقتباسات اٹھا کر جوڑ جاڑ دیئے ہیں۔ قاری پڑھے تو کم از کم کچھ تاثر تو قبول کرے۔ آغا صاحب کی انشاء پردازی سے بھی لطف اندوز ہو اور ان پر گزرنے والے مصائب وآلام پڑھ کر اس کے احساس کی دنیا میں تموج بھی پیدا ہو۔ چودھری صاحب اس زاویے کو نظر انداز کر گئے ہیں۔

رہ گیا حقائق کا بیان تو اس حوالے سے وہ کئی مقامات پر ٹھوکر کھا گئے ہیں۔ لکھتے ہیں ’’جبکہ ۱۹۴۹ء سے شورش کی وفات تک ’’چٹان‘‘ تیس مرتبہ بندش کا شکار ہوا اور بیس مرتبہ شورش گرفتار ہوئے‘‘ حالانکہ آزادی کے بعد آغا صاحب پر چار دفعہ افتاد آئی۔ پہلی بار دولتانہ وزارت نے انھیں چند دن قید رکھا اور ’’چٹان‘‘ پر پابندی لگا دی۔ آغا صاحب اس کی جگہ ہفت

روزہ ''عادل'' شائع کرتے رہے۔ دوسری دفعہ ۶ ستمبر ۱۹۶۶ء کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار ہوئے۔ انھوں نے ۴۰؍دن منٹگمری جیل (ساہی وال) اور ۱۰۰؍دن لاہور میوہسپتال میں نظر بندی کے گزارے۔ ان کی کتاب ''تمغۂ خدمت'' انھی ایام کے دلگداز سرگزشت ہے۔

۲۲؍اپریل ۱۹۶۸ء کو ''چٹان'' کا شمارہ ضبط ہوا اور ۲۵؍اپریل کو ڈیکلریشن منسوخ ہوگیا۔ پریس پر بھی پابندی لگادی گئی۔ ۵؍مئی کو آغا صاحب نے جمعیت علمائے اسلام کے کنونشن کے آخری اجلاس میں حکومت کے خلاف تقریر کی جس کی پاداش میں ۷؍مئی کو انھیں گرفتار کرلیا گیا۔ الزام یہ لگایا کہ انھوں نے ''چٹان'' میں جو شذرہ ''الحمدللہ'' کے عنوان تلے لکھا ہے وہ مسلمان فرقوں میں تفریق کا باعث بن سکتا ہے اصل میں وہ شذرہ مرزائیوں کے خلاف تھا۔ آغا صاحب کو ڈیرہ اسماعیل خان کی جیل میں رکھا گیا جہاں انھوں نے ۲۲؍دن بھوک ہڑتال کی۔ یہ قید ۲۳۲ دنوں پر مشتمل تھی۔ اس قید کی تفصیلات ان کی کتاب ''موت سے واپسی'' میں موجود ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی دسمبر ۱۹۷۱ء میں برسراقتدار آئی تو اس نے انھیں ۲۲؍دسمبر ۱۹۷۲ء کو گرفتار کیا اور ۱۴؍جنوری ۱۹۷۳ء کو رہا کردیا۔ آخری دفعہ انھیں تحریک ختم نبوت (۱۹۷۴ء) کے دوران گرفتار کیا گیا یہ زمانہ اسارت ۲۹ مئی سے ۲۷؍جولائی تک ہے۔ مصنف نے تقسیم سے قبل کی قیدو بند کے واقعات کی جامع تصویر پیش نہیں کی حالانکہ اس وقت کی قید کے شدائد آزادی کے بعد کے دور سے کہیں زیادہ پر مصائب تھے۔ انگریز حکومت نے انتہا اس طرح کی کہ گندگی کا توبرا بکران کے منہ پر باندھ دیا۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند سید عطاء المومن کہا کرتے ہیں: مجھے یوں لگتا ہے آغا مرحوم نے اس ظالمانہ اقدام پر جس غیر معمولی صبر وثبات کا مظاہرہ کیا وہ ان کی مغفرت کے لیے کافی ہوگا۔

ایک جگہ مصنف نے دو واقعات کو اچھا خاصا گڈمڈ کردیا ہے۔ ایک واقعہ یہ ہے کہ جب انھیں بطور قیدی گجرات سے لاہور لانے کے لیے ریل میں سوار کرایا گیا تو اتفاق سے اس ڈبے میں دو نوجوان لڑکیاں اپنی والدہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ بڑی لڑکی جس کا نام خورشید تھا کے دل میں آغا صاحب کے لیے الفت کا جذبہ پیدا ہوا۔ جس کی تپش دو طرفہ تھی، کوئی سال بھر آغا صاحب کو وہاں تعلق خاطر رہا۔ خورشید کی والدہ شادی پر رضامند تھیں لیکن شومئ قسمت سے آغا صاحب سال بھر کے لیے جیل چلے گئے واپس آئے تو معلوم ہوا خورشید ٹی بی کی شکار ہو کر وفات پاچکی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں آغا صاحب کی شادی ان کے ماموں کی بیٹی سے ہوئی۔ اتفاق سے اس کا نام بھی خورشید تھا۔ مصنف محترم آغا صاحب کی زبانی روایت اس طرح درج کرتے ہیں: ''کہتے ہیں کہ رشتے آسمانوں میں ہی طے ہوجاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہتھکڑیوں میں دیکھنے والی ریل ڈبے میں بیٹھی ایک عام سواری میرے سامنے بیٹھی خورشید ہی تو تھی جو میری رفیق زندگی بننے والی تھی۔ ۱۹۳۹ء کو جب رہا ہوا تو پھر وہی خورشید میری رفیق حیات بنی''۔

جناب عبدالستار چودھری کو چاہیے کہ کتاب کے اگلے ایڈیشن میں تصیح کرلیں تا کہ کتاب کا اعتبار بھی بن جائے اور آغا صاحب ایسے بطل جلیل کے بارے میں بے بنیاد باتیں بھی راہ نہ پائیں۔ بلاشبہ وہ ملت اسلامیہ کے قابل فخر فرزند تھے (مطبوعہ: روزنامہ پاکستان لاہور، ۱۳؍نومبر ۲۰۱۴ء)

مولوی ابومعاویہ محمد فقیر اللہ رحمانی

اک چراغ اور بجھا

مولانا عبدالخالق چوہان رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالخالق چوہان اسلام آباد نزد بدلی شریف ضلع رحیم یار خاں میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے والد صاحب کا نام واحد بخش تھا جو کہ کاشتکاری کے ساتھ منسلک تھے۔ انھوں نے اپنی ملکیتی زمین پر مسجد و مدرسہ تعمیر کیا اور مولانا عبدالغنی جابروی صاحب کو اپنے مدرسہ میں مدرس کی حیثیت سے مقرر کیا مولانا عبدالخالق صاحب اور ان کے بڑے بھائی مولوی جان محمد مرحوم نے اپنے اسی مدرسہ میں مروجہ درس نظامی تک تعلیم حاصل کی۔

اہلیان بستی اسلام آباد کا مولانا جاجروی سے اختلاف ہوگیا اور مولانا جاجروی مرحوم رحیم یار خان منتقل ہوگئے تو مولوی جان محمد اور مولانا عبدالخالق نے اپنے مدرسہ میں تعلیم کا کام جاری رکھا۔ مولانا عبدالخالق صاحب بڑے متحمل مزاج اور انتظامی امور کو خوش اسلوبی سے نبھانے والے انسان تھے۔ اس لیے ہمہ وقت مدرسہ کی تعمیر اور تعلیم کے لیے کوشاں رہے۔ چونکہ یہ مدرسہ ایک پسماندہ علاقہ کی ایک چھوٹی سی بستی میں قائم تھا اس لیے یہاں پر باہر سے طلباء کی امداد اور ان کی رہائش وخوراک کا ایک مسئلہ تھا۔ لیکن مولانا کی خصوصی توجہ اور کوشش کے ساتھ کراچی تک کے طلباء یہاں پڑھتے رہے اور مولانا ان طلباء کی تعلیم ورہائش وخوراک کا خاص انتظام کرتے رہے۔ مدرسہ کے طلباء کی سہولت کے لیے مولانا ہی کی سعی سے اس بستی میں بجلی آئی۔ مولانا عبدالخالق صاحب کچھ عرصہ میرے شاہ تحصیل صادق آباد کے مدرسہ میں بھی پڑھاتے رہے پھر شہزاد کالونی صادق آباد میں ایک مسجد میں خطیب وامام مقرر ہوئے کچھ عرصہ وہاں کام کیا۔ جب مسجد کے متولی کو معلوم ہوا کہ مولانا صاحب احراری ہیں اور جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق ہے تو انھوں نے کہا کہ اگر اس مسجد میں رہنا ہے تو اپنے اس تعلق کو ختم کرو۔ لیکن مولانا صاحب نے مسجد کی خطابت وامامت چھوڑ دی اور حضرت بخاری صاحب کے تعلق کو قائم رکھا۔ آپ مولانا حضرت ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سچے فدائی وشیدائی تھے۔ جماعت کا فارم پر کیا تو پھر جماعت کے ہی ہو کے رہے۔ علاقے میں حضرت شاہ صاحبان کے پروگراموں میں شرکت کرتے اور اپنے مدرسہ میں حضرت بخاری صاحبان کا سالانہ پروگرام بھی باقاعدگی سے کراتے۔ ایک دفعہ حضرت الامام سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ پروگرام پر آپ حضرت قدس سرہ کے ہاں رسید بک ختم ہوگئی۔ آپ نے عطیہ دہندگان کی فہرست بنالی اور فرمایا کہ ملتان جا

کر بقیہ رسیدیں بھیج دونگا۔ چنانچہ آپ حضرت نے ملتان سے مولانا عبدالخالق صاحب کے ڈاک پتے پر رسیدیں بھیج دیں۔ مولانا صاحب سے سستی ہوگئی اور رسیدیں مطلوبہ افراد تک نہ پہنچ سکیں۔ کچھ عرصہ بعد حضرت بخاری صاحب جب پھر تشریف لائے تو مولانا عبدالخالق صاحب سے دریافت فرمایا کہ رسیدات مطلوبہ اشخاص تک پہنچائی تھیں؟ مولانا نے عرض کیا کہ حضرت رسیدوں کی ہمیں ضرورت نہیں ہوتی اور ہر ایک شخص نے براہ راست آپ کو خود رقم دی تھی اس میں شک والی کونسی بات ہے۔ حضرت بخاری صاحب نے برہمی کا اظہار کیا اور ایک مفوضہ ذمہ داری کو نبھانے کی تلقین فرمائی۔ اس پر مولانا نے کوئی ناگواری کا اظہار نہ کیا بلکہ اعتماد میں اور پختگی آئی اور ذمہ داری کو نبھانے کا سبق بھی حاصل ہوا۔

مولانا صاحب بدلی شریف اور بستی اسلام آباد کی جماعت کے صدر منتخب ہوئے اور اس ذمہ داری کو احسن طریقہ سے نبھایا ۲۰۱۱ء میں مولانا کو ایک ٹریفک حادثہ پیش آیا جس سے آپ کی ٹانگ ٹوٹ گئی کافی عرصہ ہسپتال میں زیر علاج رہے لیکن آپ کی ٹانگ درست نہ ہوئی وقفہ وقفہ سے پانچ مرتبہ آپ کی ٹانگ کا اپریشن ہوا لیکن صحت نہ ہوئی اور مولانا مستقل معذور ہوگئے۔ اس معذوری کے باوجود آپ جماعت کے ربیع الاول کے سالانہ پروگرام چناب نگر مع شاگردان کے شریک ہوتے۔ اس معذوری کے سبب اس آپ مستقل بیٹھ کر نہ پڑھا سکتے تھے لیکن پھر بھی اپنے گھر پر دوچار بچوں کو سبق دیتے رہے آپ کا ایک صاحبزادہ رحیم یار خان منتقل ہوا تو وہ آپ کو ساتھ لے گیا اور وہاں پر اپنا تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

انسان کی زندگی عارضی اور ختم ہونے والی ہے آپ پر مورخہ ۷ر ستمبر کو بعد نماز فجر گھر پر ہی فالج کا حملہ ہوا اور فوری طور پر آپ کو ہسپتال لے جایا گیا ڈاکٹر نے چیک اپ کیا تو معلوم ہوا کہ دماغ کی رگ پھٹ گئی ہے۔ علاج شروع ہوا لیکن مورخہ ۸ر ستمبر کو پانچ بجے صبح آپ کا وقت مقرر تھا۔ فرشتہ اجل آ گیا اور آپ کی روح پرواز کرگئی۔ بعد نماز عصر اپنے آبائی گاؤں اور اپنے مدرسہ میں ہی آپ کے قریبی عزیز مولانا عبدالمجید صاحب نے جنازہ پڑھایا۔ جبکہ بانچی شریف سندھ کے سجادہ نشین بھی جنازہ میں شریک ہوئے اور اپنے قبرستان میں دفن کر کے اللہ کے سپرد کر دیا گیا۔ علاقہ بھر سے جماعتی احباب و متعلقین نے جنازہ میں شرکت کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کارکنانِ احرار کی فرقت میں خصوصی طور پر جماعتی لحاظ سے میں تو بے سہارا ہوتا جا رہا ہوں، لیکن جو دم حیاتی ہے اور جتنا چل پھر سکتا ہوں وہ احرار کے لیے ہی ہے۔

☆......☆......☆

حافظ عُبید اللہ

کیا عیسیٰ بن مریم دو ہیں؟

مرزا قادیانی اور جماعت قادیانیہ کا ایک دھوکہ اور اس کی حقیقت

جماعت مرزائیہ کی طرف سے ایک شبہ یہ اچھالا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبِ معراج میں ملاقات ہوئی تھی تو ان کا حلیہ بیان فرماتے ہوئے رنگ ''سُرخ'' بتایا، اور جب اُن آنے والے مسیح کا ذکر کیا جن کے ہاتھ سے دجّال نے قتل ہونا ہے تو رنگ ''گندمی'' بتایا، لہذا ثابت ہوا کہ پہلے مسیح علیہ السلام اور تھے اور آنے والا مسیح کوئی اور ہے اور چونکہ مرزا قادیانی کا رنگ ''گندمی'' تھا لہذا جس عیسی بن مریم کے آنے کی خبر دی گئی تھی وہ مرزا قادیانی ہی ہے۔

شبہ کا ازالہ:

سب سے پہلے ہم ان احادیث پر نظر ڈالتے ہیں جن کے اندر واقعہ معراج کا ذکر ہے اور پھر جن کے اندر آنے والے مسیح (علیہ السلام) کا ذکر ہے، اس کے بعد ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ مرزا قادیانی کو دیکھنے والے اس کے مریدوں نے اس کی رنگت کیا بیان کی؟۔

حدیث نمبر 1: (واقعہ اسراء ومعراج کے بارے میں)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لقيتُ ليلة أسري بي موسىٰ رجلاً آدم طوالاً جعداً كأنه من رجال شنوءة ، ورأيتُ عيسىٰ رجلاً مربوعاً ، مربوع الخلق الى الحُمرةِ والبياض ، سبط الرأس**...... الى آخر الحديث۔ **اسراء کی رات میری ملاقات** موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ ہوئی، اُن کا رنگ گندمی، قد لمبا، گھونگریالے بال والے تھے جیسے (یمن کے) قبیلہ شنوءہ کے لوگ، اور میں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھا وہ درمیانہ قد، سرخ وسفید رنگت اور سیدھے بالوں والے تھے۔

(صحیح البخاری: حدیث نمبر 3239)

حدیث نمبر 2: (اس میں بھی اسراء ومعراج کا بیان ہے)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ليلة أُسري بي رأيتُ موسىٰ ، واذا هو رجلٌ ضَربٌ رَجِلٌ ، كأنه من رجال شنوءة ، ورأيتُ عيسىٰ فاذا هو رُجُلٌ رَبعَةٌ**

أَحمرُ...... الی آخر الحدیث ‘‘ اسراء کی رات میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ دبلے پتلے اور سیدھے بالوں تھے، اور میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، وہ درمیانہ قد اور سرخ رنگ والے تھے۔

(صحیح البخاری: حدیث نمبر3394،باب قول الله تعالیٰ وهل أتاک حدیث موسیٰ)

حدیث نمبر3: (یہ بھی واقعہ معراج کے متعلق ہے)

’’حضرت (عبداللہ) بن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **رأیتُ عیسیٰ وموسیٰ وابراهیم ، فأما عیسیٰ فأحمر جعد عریض الصدر ، وأما موسیٰ فآدم جسیم سبط کأنه من رجال الزُط**‘‘ میں نے حضرات عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھا، پس عیسیٰ (علیہ السلام) کا رنگ سرخ، بال گھنگھریالے اور سینہ چوڑا ہے، لیکن موسیٰ (علیہ السلام) کا رنگ گندمی، موٹا بدن اور سیدھے بالوں والے جیسے ’’زُطّ‘‘ یعنی جاٹ لوگ ہوتے ہیں (زُطّ سوڈان کی لمبے قد والی ایک قوم کو بھی کہا جاتا ہے)۔

(صحیح البخاري: حدیث نمبر3438،)

اب غور فرمائیں! پہلی حدیث شریف کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام گھنگھریالے بالوں والے اور عیسیٰ علیہ السلام سیدھے بالوں والے، اور دوسری حدیث شریف میں موسیٰ علیہ السلام سیدھے بالوں والے، اسی طرح دوسری حدیث کے مطابق موسیٰ علیہ السلام سیدھے بالوں والے اور دبلے پتلے جیسے شنوءہ کے لوگ اور تیسری حدیث کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھنگھریالے بالوں والے، اوراسی تیسری حدیث کے مطابق موسیٰ علیہ السلام ’’**جسیـــــــم**‘‘ یعنی موٹے بدن (زیادہ گوشت) والے جیسے جاٹ ہوتے ہیں۔ اسی طرح پہلی حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ ’’سرخ وسفید‘‘ جبکہ دوسری اور تیسری حدیث میں آپ کا رنگ صرف ’’سرخ‘‘ بیان ہوا ہے۔

یاد رہے تینوں احادیث واقعہ معراج سے متعلق ہیں، تو کیا ان تینوں احادیث کی بناء پر یہ کہنا ٹھیک ہوگا کہ معراج کی رات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات دو موسیٰ علیہ السلام اور دو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوئی تھی؟ ایک موسیٰ علیہ السلام سیدھے بالوں والے تھے اور دوسرے گھنگریالے بالوں والے، ایک نحیف جسم والے تھے اور دوسرے جسیم اور موٹے، اسی طرح ایک عیسیٰ علیہ السلام سیدھے بالوں والے اور سُرخ وسفید رنگت والے تھے اور دوسرے عیسیٰ علیہ السلام صرف سرخ رنگ والے اور گھنگھریالے بالوں والے؟ ایسا ہرگز نہیں، حقیقت میں نہ موسیٰ علیہ السلام کے حلیہ میں اختلاف ہے اور نہ عیسیٰ علیہ السلام کے، اس کی وضاحت آگے کریں گے، پہلے چند مزید احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں:۔

حدیث نمبر4: (اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب کا ذکر ہے)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **وأرانـي الـلـيـلـة عند الكعبة في المنام، فاذا رجل آدم ، كأحسنِ ما يُرىٰ من اُدمِ الرجال تضرب لِمّتُه بين منكبيه رَجِل الشعرِ ، يقطر رأسه ماءً ، واضعاً يديه على مَنكِبُي رجُلينِ وهو يطوف بالبيت ، فقلتُ من هذا؟ فقالوا: هـذا المسيح ابنُ مريم ، ثُمّ رأيتُ رجلاً وراء ه جعداً قِططاً أعور العين اليُمنىٰ ، كأشبهِ من رأيتُ بابنِ قَطَنٍ واضعاً يديه علىٰ منكِبى رجل يطوف بالبيت ، فقلتُ من هذا؟ قالوا: المسيح الدجّال**'' میں کعبہ کے پاس (سویا تھا) کہ خواب میں ایک گندمی رنگ کا خوبصورت ترین آدمی دیکھا جس کے لمبے سیدھے بال اس کے کندھوں کے درمیانی حصہ کو چھو رہے تھے، سَر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو (لوگوں) نے کہا: یہ مریم کے بیٹے مسیح (علیہ السلام) ہیں، پھر میں نے اُن کے پیچھے ایک اور آدمی دیکھا جس کے بال بہت زیادہ گھنگریالے تھے، دائیں آنکھ سے اندھا تھا ابن قطن (یعنی عبدالعزیٰ بن قطن) کی طرح دِکھتا تھا وہ بھی ایک آدمی کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کے گرد چکر لگا رہا تھا، پس میں نے کہا: یہ کون ہے؟، انہوں نے کہا: یہ مسیح دجّال ہے۔ (**صحيح البخاري**: حدیث نمبر 3440)

اِس حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کا ذکر فرمایا اور اس میں نظر آنے والے مسیح بن مریم (علیہ السلام) کا حلیہ بیان فرماتے ہوئے گندمی رنگ والے حسین ترین اور اُن کے سیدھے بال ذکر فرمائے جو کندھوں کے درمیان تک لمبے تھے۔

اب یہ احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر 5: (اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دی گئی ہے)

یہ ایک طویل حدیث ہے، ہم صرف وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جو ہمارے موضوع سے متعلق ہیں۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الأنبيـاء اخـوة لعلاّت، اُمّهاتُهم شَتّىٰ ودينهم واحدٌ، وانّي أولى الناسِ بعيسىٰ بنِ مريمَ ، لأنه لم يكن بيني وبينه نبي ، وانّه نـازلٌ ، فـاذا رأيتـمُوهُ فاعرِفوه: رَجُلٌ مربوعٌ الى الحمرة والبياض عليه ثوبان مُمَصّرانِ كأن رأسه يقطُرُ**...... الى آخر الحديث''

(**مسند احمد بن حنبل**: حدیث نمبر 9270 **واللفظ له، سنن ابي داود**: حدیث نمبر 4324)

مسند احمد کے حوالے سے یہ پوری حدیث دوسرے قادیانی خلیفہ اور مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود

نے اپنے باپ کی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کی ہے، چنانچہ ہم اسی کا کیا ہوا اس حدیث شریف کا مکمل اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:۔

''یعنی انبیاء علاّتی بھائیوں کی طرح ہوتے ہیں ان کی مائیں تو مختلف ہوتی ہیں اور دین ایک ہوتا ہے، اور میں عیسیٰ بن مریم سے سب سے زیادہ تعلق رکھنے والا ہوں کیونکہ اُس کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں (**لم یکن بینی وبینہ نبي** کا صحیح ترجمہ ہے ''ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرما رہے ہیں جو آپ سے پہلے مبعوث ہو چکے تھے۔ ناقل) اور وہ نازل ہونے والا ہے۔ پس جب اسے دیکھو تو اُسے پہچان لو کہ وہ درمیانہ قد، سُرخی سفیدی ملا ہوا رنگ اور زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے (مرزا محمود نے اس کا ترجمہ زرد کیا ہے جس سے یہ سمجھ آتا ہے کہ گہرے زرد رنگ کا لباس ہوگا جبکہ **مُمَصّر** اُس کپڑے کو کہا جاتا ہے جس میں بہت ہلکی سی زردی ہو، بحوالہ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔ جلد 16، صفحہ 55، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت...... ناقل) اُس کے سر سے پانی ٹپک رہا ہوگا گو سر پر پانی نہ ہی ڈالا ہو۔ اور وہ صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا اور جزیہ ترک کر دے گا۔ اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دے گا۔ اُس کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ سب مذاہب کو ہلاک کر دے گا اور صرف اسلام رہ جائے گا۔ اور اُس کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ مسیح دجّال کو ہلاک کر دے گا اور زمین میں امن قائم ہوگا یہاں تک کہ شیر اونٹوں کے ساتھ اور چیتے گائے بیلوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے پھریں گے اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے اور وہ اُن کو نقصان نہ دیں گے۔ عیسیٰ بن مریم چالیس سال تک رہیں گے اور پھر فوت ہو جائیں گے اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے''۔ (حقیقۃ النبوۃ، حصہ اول، انوار العلوم، جلد 2، صفحات 508و509)

یہ حدیث نقل کر کے قادیانی خلیفہ دوم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس میں جن عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی ہے جو کہ سراسر قادیانی سینہ زوری ہے لیکن سر دست یہاں ہماری بحث اِس سے نہیں، ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اِس حدیث شریف میں اُن عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ جن کے زمانہ میں (ان کے ہاتھوں) دجّال نے ہلاک ہونا ہے ''سرخی سفیدی ملا ہوا'' بیان ہوا ہے۔

حدیث نمبر 6: (اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خبر دی گئی ہے)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ عنہ نے فرمایا: **ان روح الله عيسىٰ بن مريم نازل فيكم، فاذا رأيتموه فاعرفوه رجل مربوع الى الحمرة والبياض عليه ثوبان مُمَصّران كأن رأسه يقطر وان لم يصبه بلل فيدق الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويدعو الناس الى الاسلام**

فیھلک اللہ في زمانہ المسیح الدجّال وتقع الأمنة علی اھل الأرض حتی ترعی الأسود مع الابل والنمور مع البقر والذئاب مع الغنم ویلعب الصبیان مع الحیات لاتضرھم فیمکث أربعین سنة ثم یتوفی ویصلی علیہ المسلمون . ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ '' بے شک روح اللہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام تمہارے اندر نازل ہونے ہوں گے، پس جب انہیں دیکھو تو پہچان لو کہ وہ درمیانہ قد، سُرخ وسفید رنگ اور ہلکے زردی مائل رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے، اُن کے سر سے پانی ٹپک رہا ہوگا حالانکہ سر پر پانی نہ ڈالا ہوگا، اور وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کردیں گے، اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے، اور اُن کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ مسیح دجّال کو ہلاک کردے گا اور زمین میں امن قائم ہوگا یہاں تک کہ شیر اونٹوں کے ساتھ اور چیتے گائے بیلوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے پھریں گے اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے اور وہ اُن کو نقصان نہ دیں گے۔ پس وہ چالیس سال تک رہیں گے اور پھر فوت ہوجائیں گے اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے''۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 4163، جلد 2، صفحہ 651، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

امام ذہبیؒ نے ''تلخیص المستدرک'' میں اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔

اب نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث نمبر 4 میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس خواب کا ذکر گذرا اس میں نظر آنے والے مسیح بن مریم علیہ السلام کا رنگ ''گندمی'' اور صورت ''حسین ترین'' بیان ہوئی ہے، اور حدیث نمبر 5 اور 6 میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دی تو اُن کا رنگ ''سرخ وسفید'' فرمایا، یعنی قادیانی شوشے کی پہلی کڑی ٹوٹ گئی کہ آنے والے مسیح کا رنگ صرف ''گندمی'' بیان ہوا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک حدیث میں جس میں خواب کا ذکر ہے ''گندمی رنگ'' اور دوسری احادیث جن کے اندر عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دی گئی ہے ''سفید اور سرخ رنگ'' بتایا گیا ہے، تو سب سے پہلے تو قادیانی بتائیں کہ ''آنے والا مسیح'' ایک ہے یا دو؟۔

اب ہم آتے ہیں اِس (بظاہر نظر آنے والے) معمّہ کی طرف، جہاں تک حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہ السلام کے حلیے میں لفظ ''جعد'' آیا ہے تو علماء حدیث نے لکھا ہے کہ وہاں لفظ ''جعد'' کا معنیٰ ''گھنگھریالے بالوں والا'' نہیں بلکہ ''گٹھیلے اور مضبوط بدن والا'' ہے (دیکھیں: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی فتح الباری شرح صحیح البخاري، جلد 6، صفحہ 486، کتاب الأنبیاء، طبع المکتبة السلفیة، اور امام نوویؒ کی شرح صحیح مسلم، صفحہ 205، کتاب الایمان. باب الاسراء برسول اللہ الی السمٰوات، طبع بیت الافکار الدولیة، بیروت، اسی طرح

''جعد'' کا معنی ''گٹھیلے بدن والا'' ابن اثیر کی النهاية في غير الحديث والأثر ، جلد 1، صفحہ 275، طبع المكتبة الاسلامية میں بھی لکھا ہے)، تو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کے بال ''سیدھے'' ہی رہے اور ''جعد'' کا یہ معنیٰ نہیں کہ ان میں سے کسی کے بال ''گھنگھریالے'' تھے۔ (یاد رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام نووی رحمتہ اللہ علیہم دونوں قادیانیوں کے مسلّمہ اپنے اپنے وقت کے مجدد ہیں اور مرزا قادیانی کے نزدیک مجدد کی بات ماننا ضروری ہے)۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ ''جسیم'' یعنی موٹے بدن والے تھے تو وہاں ''جسیم'' کا معنیٰ زیادہ گوشت والے یا موٹے نہیں بلکہ اس کا مطلب ہے ''لمبے قد والے''، حافظ ابن حجرؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے (فتح الباری شرح صحیح البخاري، جلد 6، صفحہ 484) لہٰذا دونوں احادیث کو ملا کر یہ مطلب نکلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نحیف البدن اور لمبے جسم والے تھے، اس طرح احادیث میں موسیٰ علیہ السلام دو نہیں بلکہ ایک ہی رہے۔

اب آیئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حلیے کی بات کرتے ہیں، آپ نے دیکھا کہ واقعہ معراج سے متعلقہ احادیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رنگ ''سرخ وسفید'' بیان ہوا ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ''سرخ'' رنگ بیان ہوا ہے، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کا ذکر ہے (اور جس کا ترجمہ ہم نے مرزائی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود سے نقل کیا ہے) آپ کا رنگ ''سرخ وسفید'' ہی بیان ہوا ہے جبکہ خواب والی روایت میں جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کا رنگ ''گندمی'' بیان ہوا ہے۔

لیکن ہمیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت اسی صحیح بخاری میں ملتی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ ''لا والله ما قال النبيُ صلى الله عليه وسلم لعيسىٰ أحمر ......'' نہیں اللہ کی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ آپ کا رنگ سرخ ہے۔ (صحیح البخاري: حدیث نمبر 3441)، اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں ''سرخ'' رنگ کا ذکر ہے اس میں کسی راوی کو غلطی لگی ہے، امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں یہی بات یوں بیان کی ہے ''وقد روى البخاري عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه أنكر رواية احمر وحلَفَ أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يقله يعني وأنه اشتبه على الراوي ، فيجوز أن يتأول الأحمر على الآدم ، ولا يكون المراد حقيقة الأدمة والحمرة بل ما قاربها'' امام بخاری نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (جو روایت پہلے گذری۔ ناقل) کہ انہوں نے

''سرخ'' رنگ والی روایت کا انکار کیا ہے اور قسم اٹھا کر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ عنہ نے یہ بات نہیں فرمائی، مطلب یہ ہے کہ کسی راوی کو شبہ لگا ہے شاید اس نے گندمی رنگ پر سرخ کا لفظ بول دیا، اور اس سے بھی خالص گندمی یا خالص سرخ نہیں بلکہ وہ رنگ مراد ہے جو ان کے قریب قریب ہو(شرح صحیح مسلم للنووي ،جلد2 صفحات 232و233،' طبع مصر، زیرِ حدیث نمبر 169، کتاب الایمان. باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجّال)۔

تو دوستو! نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دو ہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دو ہیں، آیئے اس کی مزید وضاحت کے لئے مزید دو احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تا کہ بات اچھی طرح سمجھ آجائے، امام ترمذیؒ نے اپنی سنن ترمذی میں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ کے بارے میں دو روایات ذکر کی ہیں:۔

روایت نمبر(1):

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: **لَم یَکُن رَسُولُ اللہِ صلی الله علیه وسلم بِالطَّوِیلِ البائِنِ ، وَلا بِالقَصِیرِ، وَلَا بالأبیَضِ الأمهقِ ، <u>وَلَا بِالآدمِ</u>، ولیس بِالجَعدِالقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبطِ** ......الی آخر الحدیث''۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک نہ بہت لمبا تھا نہ چھوٹا (بلکہ درمیانہ تھا)، اور (رنگ کے اعتبار سے) نہ بالکل سفید تھے <u>اور نہ گندمی رنگ والے</u>، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک نہ بالکل سیدھے تھے اور نہ بالکل گھنگھریالے......۔

(سنن ترمذی، حدیث نمبر 3623/ شمائل ترمذی، حدیث نمبر 1)

روایت نمبر(2):

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: **کَانَ رَسُولُ اللہِ صلی الله علیه وسلم رَبعَةً لَیسَ بِالطَّوِیلِ وَلَا بِالقَصِیرِ، حَسَنَ الجسمِ ، <u>أسمَرَ اللَّونِ</u>، وکان شَعرُہ لَیسَ بِجَعدٍ وَلَا سَبطٍ اذَا مَشیٰ یَتَکَفَّأ** ۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کا قد مبارک) نہایت معتدل تھا، نہ زیادہ لمبا اور نہ چھوٹا، خوبصورت جسم والے تھے، <u>آپ کا رنگ مبارک گندمی</u> تھا، اور آپ کے بال مبارک نہ بالکل گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے، آپ جب چلتے تھے تو آگے کو جھک کر چلتے تھے۔(سنن ترمذی، حدیث نمبر 1754/ شمائل ترمذی، حدیث نمبر 2)

یہ دونوں روایات صحیح ہیں اور سنن ترمذی وشمائل ترمذی کے علاوہ بہت سی دوسری کتبِ حدیث میں بھی موجود ہیں ،لیکن اگر الفاظ کو دیکھا جائے تو پہلی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک

''آدم''، یعنی گندمی نہیں تھا، جبکہ دوسری روایت میں یہی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''أسمر اللون''، یعنی گندمی رنگت والے تھے (آدم اور أسمر دونوں کا معنی گندمی یا سانولا ہوتا ہے)، تو اب جماعت قادیانیہ کی منطق کی رُو سے یہاں بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چونکہ دو قسم کی رنگت بیان فرمائی ہے اس سے ثابت ہوا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دو تھے۔

نتیجہ:

حقیقت یہ ہے کہ رنگ بیان کرنے والا کبھی کسی کا رنگ ''سُرخ'' یا ''سفید'' بیان کر دیتا ہے لیکن اس کی مراد خالص سفید یا سُرخ نہیں ہوتا، کیونکہ کسی انسان کا رنگ نہ تو خون کی طرح سرخ ہوتا ہے اور نہ ہی دودھ کی طرح سفید، اسی طرح کسی کا رنگ ''گندمی'' بیان کر دیا جاتا ہے لیکن اس سے مراد بالکل سانولا رنگ نہیں ہوتا، کوئی سُرخ و سفید رنگت والا کبھی کسی وجہ سے گندمی یا سانولا بھی دکھ سکتا ہے (مثال کے طور پر گرمی کے موسم میں دھوپ کی وجہ سے) اور کوئی گندمی رنگ والا کبھی سُرخ بھی دکھ سکتا ہے مثال کے طور پر غصے کی حالت میں یا کوئی زور والا کام کرتے ہوئے)، لہذا اگر جماعت قادیانیہ کا یہ اصرار ہے کہ روایات میں رنگت کے اختلاف کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام دو ثابت ہوتے ہیں تو پھر انہیں موسیٰ علیہ السلام بھی دو ماننے ہوں گے اور صحابہ کے زمانے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دو ماننے ہوں گے، اور جیسا کہ بیان ہوا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تو قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسی بن مریم علیہ السلام کے بارے میں ہرگز نہیں فرمایا کہ ان کا رنگ سُرخ تھا (لہذا یہ بعد کے کسی راوی کے الفاظ ہیں)۔

مرزا قادیانی کا حلیہ اس کے مریدوں کے الفاظ میں:

قارئین محترم! آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ مرزا قادیانی کے چہرے کی رنگت بھی خود اس کے مریدوں نے کہیں ''سرخ'' اور کہیں ''سفید و سرخ گندمی'' بیان کی ہے، مرزا کا مرید خاص مفتی محمد صادق اپنی قادیان میں آمد اور مرزا کے حلیہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''آپ کی ریش مبارک مہندی سے رنگی ہوئی تھی، چہرہ بھی <u>سُرخ اور چمکیلا</u>'' (ذکر حبیب، طبع جدید، جلد اول، صفحہ 4)

ایک دوسری جگہ یہی مفتی محمد صادق مرزا کا تفصیلی حلیہ بتاتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''رنگ <u>سُرخ و سفید گندمی</u> تھا، جب آپ ہنستے تھے تو چہرہ بہت <u>سُرخ</u> ہو جاتا تھا''۔

(ذکرِ حبیب، طبع جدید، جلد اول، صفحہ 25)

اب ہمارا سوال ہے کہ کیا قادیان میں مرزا غلام احمد قادیانی دو تھے یا ایک؟ اگر ایک ہی تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ

کہیں اسکا رنگ ''چمکتا ہوا سُرخ'' اور کہیں ''سُرخ وسفید گندمی'' بتایا جا رہا ہے جو ہنسنے پر بہت زیادہ سُرخ ہو جاتا تھا؟۔

اور یہ بات بھی ہمیشہ پیش نظر رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احادیث میں ''مریم کے بیٹے عیسیٰ'' کا نام صاف طور پر ذکر کیا ہے کسی ''چراغ بی بی'' کے بیٹے کا کوئی ذکر نہیں کیا، اور کسی صحابی، محدث، مفسر یا مجدد کے ذہن میں یہ خیال تک کبھی نہیں گذرا کہ عیسیٰ علیہ السلام دو ہیں، اور نہ ان کے تصور میں یہ بات تھی کہ اِس امت میں سے کسی ''چراغ بی بی'' کے بیٹے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عیسیٰ بن مریم'' فرمایا ہے، پھر صحیح بخاری کی جس حدیث کو لے کر جماعت مرزائیہ یہ شبہ پیش کرتی ہے کہ آنے والے مسیح کا رنگ ''گندمی'' بیان ہوا ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں ''**کـأحسنِ ما یُریٰ مــن اُدمِ الـرجـال**'' (جس کا ترجمہ ہے) گندمی رنگ والے مردوں میں سے خوبصورت اور حسین ترین نظر آنے والے، اب اگر بنظرِ انصاف مرزا غلام احمد قادیانی کی صورت دیکھیں تو ''خوبصورت ترین'' تو دُور کی بات صرف ''خوبصورت'' اور ''حسین'' کا لفظ بھی اُس پر نہیں بولا جا سکتا، قارئین سے گذارش ہے کہ مرزا قادیانی کی تصویر کو (جو اس کی بہت سی کتابوں کے شروع میں چھپی ملے گی) غور سے دیکھیں تو انہیں صاف نظر آئے گا کہ اس کے چہرے کے خدوخال میں تناسب ہی نہیں، ایک آنکھ بڑی اور دوسری چھوٹی، گردن اکثر تصویروں میں ٹیڑھی نظر آتی ہے، اور اس کی آنکھیں تو ہمیشہ ''نیم بند'' رہتی تھیں۔

lahore.jpg not found.

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

جاوید احمد غامدی......مرزا قادیانی کا وکیل صفائی

مدعی سست، گواہ چست

ہماری نوجوان نسل جن کو ایک خاص منصوبے اور سازش کے تحت دینی اداروں اور دینی مراکز سے دور رکھا گیا، عام طور پر اپنے دین مذہب اور مسلک ومشرب سے خالی الذہن اور لاعلم ہوتی ہے۔ مگر چونکہ فطرتاً مذہب پسند ہوتی ہے اس لیے جو شخص بھی دین کے نام پر آواز لگاتا ہے یہ نوجوان نسل دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑ پڑتی ہے اور اپنے جذبۂ اخلاص کی بنا پر ایسی آواز لگانے والے ہر شخص کو مخلص اور نجات دہندہ تصور کرتی ہے۔ لیکن پتہ تب چلتا ہے جب وہ اپنی متاعِ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی، ایران کا بہاء اللہ، فرقہ مہدویہ کا بانی محمد جون پوری، کوٹری کا گوہر شاہی لاہور کا یوسف کذاب، پنڈی کا زید زمان عرف زید حامد اور آج ملائیشیا میں بیٹھ کر مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کرنے والا جاوید احمد غامدی...... یہ سب وہ کردار ہیں جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کو لوٹا اور عقیدت کا ایسا نشہ ان کو پلایا کہ آج تک کئی لوگ ان کے گرویدہ ہو کر اپنی متاعِ ایمان ان کے ہاتھوں گنوا چکے ہیں۔

آج سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم چرب زبانی اور طلاقتِ لسانی سے متصف ہر عیار اور مکار شخص کو دین ومذہب کا ترجمان اور اس کے پریشان افکار وخیالات کو دین کی صحیح تعبیر اور تشریح سمجھ بیٹھتے ہیں۔

جناب جاوید احمد غامدی پاکپتن سے اٹھے، لاہور آئے، جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ وہاں کا نظم اور ڈسپلن راس نہ آیا تو امین احسن اصلاحی کو اپنا پیشوا بنایا اور اب قرآن، سنت، اجماع، نماز، زکوۃ، رجم، جہاد، رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مہدی علیہ الرضوان، حتیٰ کہ تمام ضروریات دین میں ایک الگ سوچ اور الگ فکر کے ساتھ معروف ہیں۔

اور برملا کہا جاتا ہے کہ قرآن وسنت اور اہل سنت والجماعت کے مسلّمات کی سوا چودہ سو سال سے آج تک جو تعبیر وتشریح کی جارہی تھی وہ صحیح نہیں، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یا جو میری تعبیر ہے وہ درست ہے، العیاذ باللہ۔

باقی باتوں کے علاوہ اب ایک نئی جو انھوں نے اختراع کی وہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کوئی نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا۔ انھوں نے تو وہی بات کی ہے جو ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے متصوفین نے کی ہے۔ بین السطور گویا وہ یہ کہنا اور تاثر دینا چاہتے ہیں کہ چونکہ صوفیاء اور مرزا غلط تعبیر میں برابر کے شریک ہیں اس لیے یا تو دونوں ہی کو کافر قرار دیا یا دونوں ہی کافر نہیں ہیں۔ امت مسلمہ چونکہ صوفیاء کو کافر قرار نہیں دیتی، اس لیے مرزا غلام احمد قادیانی بھی کافر نہیں، نعوذ باللہ من ذالک.

غامدی صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

”خود مرزا غلام احمد قادیانی کی جو تحریریں ہیں ان میں بصراحت نبوت کے دعوے کی کوئی دلیل نہیں۔ ختم نبوت کا بھی انھوں نے کہا کہ میں اس کا قائل ہوں لیکن میرا طلب یہ ہے میری مراد یہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ تحریر جتنی واضح ہے ان کے مقابلے میں وہ اتنی واضح نہیں ہیں ان کے بعد مرزا بشیر الدین محمود نے معاملہ زیادہ صریح کیا کہ نہیں باقاعدہ (نبی) ہیں، ورنہ معاملہ حل ہو جاتا، اتنا ہی رہتا جتنا صوفیاء کا تھا۔“

راقم الحروف تفصیل میں جائے بغیر مرزا غلام قادیانی کی اپنی چند تحریرات یہاں نقل کرتا ہے جن سے قارئین بآسانی یہ فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ ان عبارات میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟

۱: ”ہماری جماعت میں سے بعض صاحب جو ہمارے دعویٰ اور دلائل سے کم واقفیت رکھتے ہیں جن کو نہ بغور کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ وہ ایک معقول مدت تک صحبت میں رہ کر اپنے معلومات کی تکمیل کر سکے، وہ بعض حالات میں مخالفین کے کسی اعتراض پر ایسا جواب دیتے ہیں کہ جو سراسر واقعہ کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لیے باوجود اہل حق ہونے کے ان کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے، چنانچہ چند روز ہوئے ہیں کہ ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے، وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ سے دیا گیا۔ حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے۔ حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ صد ہا دفعہ۔ پھر چونکہ یہ جواب صحیح ہو سکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں، بلکہ اس وقت تو پہلے زمانے کی نسبت بھی بہت تصریح اور توضیح سے یہ الفاظ موجود ہیں۔“

(ایک غلطی کا ازالہ، ص:۳، روحانی خزائن، ج:۱۸، ص:۲۰۶، از مرزا قادیانی)

جناب غامدی صاحب بتائیے! آپ تو فرماتے ہیں کہ انھوں نے کبھی دعویٰ نبوت نہیں کیا، لیکن موصوف لکھ رہے ہیں کہ: ایسا جواب صحیح نہیں حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے الفاظ: رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں، نہ ایک دفعہ بلکہ صد ہا دفعہ“ پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہو سکتا ہے؟ نیز رسول اور مرسل اصطلاحِ عام میں صاحب شریعت نبی کو ہی کہا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: ”مرزا غلام قادیانی نے علامہ ابن عربی کی طرح نبوت کی تقسیم کی ہے: تشریعی نبوت اور عام نبوت، اور عام نبوت کو انھوں نے جاری مانا ہے“۔ جس کی بنا پر آپ صرف ان کے نہیں بلکہ پورے تصوف کے مخالف ہو گئے اور آپ نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی صوفیوں کی طرح عام نبوت کے اپنے کے اپنے لیے جاری رہنے کا اعلان کیا ہے حالانکہ درج بالا مرزا کی عبارت صراحتاً اعلان کر رہی ہے کہ مرزا کا دعویٰ صوفیا کی گفتگو سے بھی یکسر مختلف ہے۔

۲: ”میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے، جو میرے پر نازل ہوا۔ اور یہ دعویٰ امت محمدیہ

میں سے آج تک کسی اور نے ہرگز نہیں کیا کہ جو خدا تعالیٰ نے میرا یہ نام رکھا ہے اور خدا تعالیٰ کی وحی سے صرف میں اس کا مستحق ہوں۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:۳۷۸، روحانی خزائن، ج:۲۲ ص۵۰۳، از مرزا قادیانی)

۳: ''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا، پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں، کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:۳۹۱، روحانی خزائن، ج:۲۲ ص:۴۰۶۔۴۰۷، از مرزا قادیانی)

۴: ''میں خدا تعالیٰ کی تیئیس برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں۔ میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:۱۵۰، روحانی خزائن، ج:۲۲ ص:۱۵۴، از مرزا قادیانی)

۵: ''اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے'' (انجام آتھم، ص:۶۲، روحانی خزائن، ج:۱۱ ص:۶۲، از مرزا قادیانی)

۶: ''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔'' (ملفوظات، ج:۵ ص:۴۴۷ طبع جدید، از مرزا قادیانی)

۷: ''خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔'' (اربعین نمبر:۳ ص:۳۶، مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۷ ص:۴۲۶، از مرزا قادیانی)

۸: ''سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔'' (دافع البلاء، ص:۱۱، مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۸ ص۲۳۱، از مرزا قادیانی)

۹: ''جس طرح فرعون کے پاس رسول بھیجا گیا تھا وہی الفاظ ہم کو بھی الہام ہوئے ہیں کہ تو بھی ایک رسول ہے، جیسا کہ فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا گیا تھا۔'' (ملفوظات، ج:۵ ص:۱۷ طبع جدید، از مرزا قادیانی)

۱۰: ''تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے، قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا، کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کے لیے نشان ہے۔'' (دافع البلاء، ص:۱۴، روحانی خزائن، ج:۱۸ ص:۲۳۰، از مرزا قادیانی)

۱۱: ''اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان

ظاہر کیے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:۳۸۷، روحانی خزائن، ج:۲۲، ص۵۰۳، از مرزا قادیانی)

۱۲: ''انا أرسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کماارسلنا الی فرعون رسولا ''ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے اسی رسول کی مانند جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا'' (حقیقۃ الوحی، ص:۱۰۷، روحانی خزائن، ج:۲۲، ص:۱۰۵، از مرزا قادیانی)

۱۳:......''یٰس انک لمن المرسلین ''اے سردار! تو خدا کا مرسل ہے۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:۱۰۷ مندرجہ روحانی خزائن، ج:۲۲، ص:۱۱۰، از مرزا قادیانی)

۱۴: ''مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ ''ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علیٰ الذین کلہ.'' (اعجاز احمدی، ص:۷، مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۹، ص:۱۱۳، از مرزا قادیانی)

۱۵: ''پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے: ''محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم'' اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی'' (ایک غلطی کا ازالہ، ص:۴، مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۸، ص:۲۰۷، از مرزا قادیانی)

۱۶: ''میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔'' (ایک غلطی کا ازالہ، ص:۷، مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۸، ص:۲۱۱، از مرزا قادیانی)

ہم نے یہ چند حوالہ جات صرف اور صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی تحریرات کے دیئے ہیں جن میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے نبی اور رسول ہونے کے دعاوی کیے ہیں، باقی جو کچھ ان کے بیٹوں مرزا بشیر الدین محمود اور مرزا بشیر احمد ایم اے نے اپنے باپ کے بارہ میں لکھا ہے ہم نے وہ سب تحریرات یہاں نقل نہیں کیں اس لیے کہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کہتے ہیں کہ مرزا کی نبوت کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب ان کے بیٹوں کا کیا دھرا ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی اولاد ان کی تمام ذریت اور پوری قادیانیت اسے نبی رسول نجات دہندہ اور مسیح موعود تسلیم کرتی ہے حتیٰ کہ انھوں نے لکھا ہے کہ:

''حضرت مسیح موعود نے تو فرمایا ہے کہ ان کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے، اور ہمارا خدا اور ہے، ہمارا حج اور ہے اور ان کا حج اور، اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے۔''

(روزنامہ الفضل، قادیان، ۲۱/ اگست، ۱۹۱۷ء، جلد نمبر:۵، ص:۸)

لیکن جاوید غامدی صاحب یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ وکیل صفائی کا کردار ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جیسے قادیانیوں سے الگ ہونے والا لاہوری گروپ مرزا کو ایک مجدد مانتا ہے مرزا غلام احمد قادیانی نے اس سے

زیادہ کچھ نہیں کہا، یہ بھی جناب موصوف کی قادیانیوں کی طرح ایک تلبیس ہے۔ حالانکہ خلافت نہ ملنے کی وجہ سے قادیانیوں سے علیحدہ ہونے والا چوہدری محمد علی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی، رسول اور اپنا نجات دہندہ سمجھتا تھا، لیکن بعد میں اس جماعت نے ضد کی بنا پر قادیانیوں سے الگ عقیدہ گھڑ لیا۔ امت مسلمہ کے نزدیک قادیانی گروپ ہو یا لاہوری گروپ، دونوں مرتد، زندیق اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

جناب محمد متین خالد صاحب اپنی مایہ ناز تصنیف ''ثبوت حاضر ہیں'' میں جناب پروفیسر محمد الیاس برنی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''۱۹۰۸ء میں مرزا قادیانی جہنم واصل ہوا، اس کے بعد حکیم نورالدین خلیفہ بنا۔ ۱۹۱۴ء میں اس کے مرنے کے بعد قادیانی جماعت میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ مرزا قادیانی کا دیرینہ دوست مولوی محمد علی لاہوری چاہتا تھا کہ وہ قادیانی خلافت کا زیادہ حقدار ہے لیکن مرزا قادیانی کے خاندان والے چاہتے تھے کہ ''خلافت'' خاندان سے باہر نہ جائے، چنانچہ مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا محمود اس قادیانی گدی پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد محمد علی لاہوری اپنے ساتھیوں سمیت قادیان چھوڑ کر لاہور آ گیا اور یہاں اپریل ۱۹۱۴ء میں ''احمد یہ انجمن اشاعت اسلام'' کے نام سے نئی تنظیم بنا کر کام شروع کر دیا۔ لاہوری جماعت کا عقیدہ ہے کہ ہم مرزا قادیانی کو دوسرے مجددوں کی طرح ایک مجدد مانتے ہیں۔ حالانکہ محمد علی لاہوری مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت ورسالت کو نہ صرف مانتا تھا۔ بلکہ پورے زور شور کے ساتھ اس کی تبلیغ وتشہیر بھی کرتا تھا۔ اس نے پورے زور قلم کے ساتھ اپنے پرچہ میں تحریر کیا:

۱۔　جھوٹے مدعی نبوت کو نصرت نہیں دی جاتی بلکہ اسے ہلاک کر کے نیست ونابود کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح مرزا صاحب کے ساتھ نہیں کیا۔ پس جس شخص کے ساتھ خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے مقرر کردہ قوانین کی رو سے جھوٹوں والا سلوک نہیں کرتا بلکہ صادقوں اور سچے رسولوں والا سلوک کرتا ہے، اس کی صداقت پر شبہ کرنا خدا تعالیٰ سے جنگ کرنا اور اس کے کلام کی خلاف ورزی کرنا ہے اس بڑھ کر اور کوئی ثبوت کسی کی صداقت کا نہیں ہو سکتا اور اگر یہ ثبوت کافی نہیں تو پھر کسی نبی کی نبوت ثابت نہیں ہو سکے گی۔'' (ریویو آف ریلیجنز، ج:۷، ص:۲۹۴)

۲۔　معلوم ہوا کہ بعض احباب کو غلط فہمی میں ڈالا گیا ہے کہ اخبار ہذا کے ساتھ تعلق رکھنے والے اصحاب یا ان میں سے کوئی ایک سیدنا وہادینا حضور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود کے مدارج عالیہ کو اصلیت سے کم استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت میں اخبار پیغام صلح سے تعلق ہے خدا تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود کو اس زمانہ کا نبی رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں اور جو درجہ حضرت مسیح موعود نے اپنا بیان فرمایا ہے اس سے کم وبیش کرنا موجب سلب ایمان سمجھتے ہیں۔''

(اخبار پیغام صلح، ج:۱، ص:۴۲، ۱۶/اکتوبر ۱۹۱۳ء)

۳۔ ''ہم خدا تعالیٰ کو شاہد کر کے اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ مسیح موعود یعنی (مرزا قادیانی) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول تھے اور اس زمانہ کی ہدایت کے لیے دنیا میں نازل ہوئے۔ آج آپ کی متابعت میں ہی دنیا کی نجات ہے۔''

(اخبار پیغام صلح، ج:۳۵، ۷؍ستمبر ۱۹۱۳ء)

بقول پروفیسر محمد الیاس برنیؒ: ''قادیانیوں کی ان دونوں جماعتوں میں درحقیقت کوئی فرق نہیں بلکہ یہ اختلاف اور نزاع صرف اقتدار کا ہے، اگر مولوی محمد علی کو مرزا محمود کی جگہ خلافت مل جاتی تو وہ بھی وہی کہتا جو عام قادیانی کہتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کا رنگ گہرا عنابی اور دوسرے کا ہلکا گلابی ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان میں اختلاف حقیقی نہیں، بلکہ بناوٹی ہے۔'' (قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، از پروفیسر محمد الیاس برنیؒ)

راقم الحروف جناب جاوید احمد غامدی سے سوال کرتا ہے کہ کیا کسی اہل تصوف نے ایسے دعوے کیے ہیں؟ جو آپ کے ممدوح مرزا غلام احمد قادیانی نے کیے ہیں؟ یا کسی صوفی اور ولی نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور جہنمی کہا ہے؟ کیا کسی ولی نے انبیا علیہ السلام کی توہین کی ہے؟ کیا کسی ولی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دی ہیں؟ کیا کسی ولی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہا کی گستاخیاں کی ہیں؟ کیا کسی ولی نے اپنے نہ ماننے والوں کو جنگل کے سور اور ان کی عورتوں کو کتیا کہا ہے؟ مرزا کے وکیل صفائی پر ایک ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے۔

آپ سے کوئی یہ سوال بھی کر سکتا ہے کہ جو شخص انگریز کو خوش کرنے کے لیے جہاد کی منسوخی کے لیے اتنا لٹریچر لکھے کہ اس سے پچاس الماریاں بھر جائیں، اور سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں بار اپنے عقیدت مندوں میں جہاد کی منسوخی کا حکم اور اعلان کرے کیا کسی صوفی اور بزرگ نے کبھی یہ کام کیا ہے؟ یا کس صوفی اور ولی نے عیسائیوں کو خوش کرنے کے لیے جہاد کی منسوخی کا اعلان کیا تھا؟ جناب جاوید احمد غامدی صاحب بقول آپ کے صوفیاء کے دعاوی مرزے جیسے ہیں تو تاریخ سے بتلایا جائے کہ کس صوفی نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور جہنمی کہا ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ظلی، بروزی، تشریعی اور غیر تشریعی نبی پیدا نہیں ہوگا، اس کو عقیدہ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کریم کی سو آیات، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو سو سے زائد احادیث سے مؤکد اور اجماع امت سے ثابت ہے جس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا:

''انه سيكون في امتي كذابون ثلاثون كلهم يزعم انه نبي، و انا خاتم النبيين لانبي بعدي.''

''عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے (ظاہر) ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (ابوداود، ج:۲، ص:۲۲۸)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اسود عنسی بد بخت نے نبوت کا اعلان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق واصل جہنم ہوا۔ مسیلمہ کذاب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں دعویٰ نبوت کیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں اس کے خلاف جہاد کر کے اسے اور اس کے ماننے والوں کو واصل جہنم کیا۔

برصغیر میں انگریز تجارت کے بہانے گھسا، مسلم بادشاہوں کی عیاشیوں اور غفلتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریز عیار نے ان سے ملک چھین لیا، مخلص مسلم عوام نے اس کے خلاف علم جہاد بلند کیا، جس کی پاداش میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن مسلم عوام کا جذبہ جہاد سرد نہ ہوا تو انگریز نے ایک اور چال چلی کہ انھیں میں سے کوئی شخص کھڑا کر کے مصلح، مبلغ اسلام، مجدد، مہدی مثیل مسیح موعود، حتیٰ کہ نبی اور رسول کے درجہ پر فائز کر کے اس سے جہاد کی منسوخی کا اعلان کرایا جائے۔ اس کام کے لیے انھیں مرزا قادیانی سے بہتر کوئی آدمی نہ مل سکتا تھا۔ کیونکہ یہ خاندان انگریز کا پرانا وفادار تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مرزا غلام احمد کے باپ مرزا غلام مرتضیٰ نے پچاس گھوڑے انگریز کو عطیہ کیے تھے۔ سکھ دربار میں اس کے باپ کے لیے خصوصی نشست مقرر تھی، اس لیے انھوں نے مرزا پر ہاتھ رکھا اور یہ دعوے اس سے کرائے۔ آج پوری امت مسلمہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے چاہے قادیانی گروپ ہو یا لاہوری گروپ سب کو مرتد، زندیق اور دائرہ اسلام سے کارخ سمجھتی ہے۔ یہی فیصلہ پوری دنیا کی ۱۴۴/اسلامی تنظیموں نے رابطہ عالم اسلامی کے پلیٹ فارم سے کیا۔ یہی فیصلہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں متفقہ طور پر کیا اور یہی فیصلہ ہر اس عدالت نے کیا جہاں جہاں قادیانی اپنی درخواستیں لے کر گئے۔ ان عدالتوں میں فیصلہ کرنے والے جج ہندو بھی تھے اور یہودی بھی ہر ایک نے چاہے اندرون ملک کی عدالتیں ہوں یا بیرون ملک کی، سب نے یہی فیصلہ کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ایک جناب جاوید غامدی صاحب ہیں جو اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ہم ان کے چاہنے والوں سے یہی سوال کرتے ہیں کہ فیصلہ آپ کریں، ایک جاوید احمد غامدی غلط راہ پر ہے یا پوری مسلم برادری؟ جاوید احمد غامدی کی سوچ اور فکر غلط ہے یا پوری پاکستانی قومی اسمبلی اور چھوٹی عدالت سے عدالت عظمیٰ تک؟ فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔ قبر اور حشر میں ہر ایک نے اپنا جواب دینا ہے، کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے گا۔ اور دنیا میں سب سے قیمتی چیز متاعِ ایمان ہے۔ اگر آج کسی کی عقیدت کے نشہ میں یہ متاع لٹ گئی تو بتائیے! خسارے کے علاوہ کیا ملے گا؟ ''خسر الدنیا والاخرة ذلک هو الخسران المبین.''

☆......☆......☆

منصور اصغر راجہ

گجرات کی ۳۳۰ برس قدیم مسجد ہتھیانے میں قادیانی ناکام

گجرات میں ۳۳۰ سالہ قدیم مسجد پر قبضے کا مقدمہ قادیانی ہار گئے۔ ۱۹۳۰ء میں موضع گولیکی کی مرکزی مسجد کے پیش امام نے قادیانیت اختیار کر لی تھی۔ جس کے باعث تقریباً آدھا گاؤں مرتد ہو گیا۔ ۱۹۹۱ء میں مسجد کی تعمیر نو کے دوران قادیانیوں نے اسے اپنی عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا۔ گاؤں میں کشیدگی پھیلنے کے باعث ضلعی انتظامیہ نے اٹھارہ سال پہلے مسجد کو سیل کر دیا تھا۔ قادیانیوں اور مسلمانوں کے تنازعے کی وجہ سے ۲۰۰۱ء میں اس گاؤں میں آٹھ افراد قتل ہوئے۔ قادیانیوں نے مسلمانوں کو مقدمہ واپس لینے اور مسجد سے دستبردار ہونے پر مجبور کرنے کے لیے کئی حربے استعمال کیے۔ ۲۰۱۰ء میں قادیانیوں نے مقدمے کی مدعی ماسٹر سرفراز کو شہید بھی کر دیا۔ تاہم مسلمانوں کی اٹھارہ سالہ جدوجہد رنگ لے آئی۔ مقامی عدالت نے مقدمے کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کرتے ہوئے مسجد کھولنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔

گجرات شہر کی مغربی جانب تقریباً ۱۵ کلومیٹر کی مسافت پر واقع گاؤں، گولیکی گزشتہ بیس برس کے دوران کئی بار خبروں میں شامل رہا۔ جس کی وجہ یہاں مسلمانوں اور قادیانیوں کا ایک پرانا تنازع تھا۔ ڈھائی ہزار گھرانوں پر مشتمل اس گاؤں کی مرکزی مسجد کی بنیاد تقریباً تین سو سال پہلے یہاں کے ایک بزرگ حافظ غلام دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں امام دین نامی پیش امام نے قادیانیت اختیار کر لی۔ مرتد ہونے کے بعد پیش امام نے اپنی ''محنت'' شروع کر دی۔ مقامی ذرائع کے مطابق دوسری طرف حالت یہ تھی کہ مقامی مسلمانوں کو قادیانی فتنے کے بارے میں کچھ زیادہ آگہی نہیں تھی۔ علاوہ ازیں لوگ زیادہ پڑھے لکھے بھی نہ تھے۔ لہٰذا گاؤں کے سیدھے سادے دیہاتی اس مرتد پیش امام کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے اور اس سے نکاح اور جنازے بھی پڑھواتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصے بعد گاؤں کے بیشتر لوگ قادیانی ہو گئے۔ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیے جانے کے بعد گاؤں کے مسلمانوں کو بات کچھ سمجھ آئی۔ لیکن چونکہ سب لوگ آپس میں قریبی رشتہ دار تھے۔ اس لیے بزرگوں نے بات آگے بڑھانے کی بجائے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمان یہاں نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔ جس کے بعد قادیانیوں کا مسجد پر قبضہ مزید مضبوط ہو گیا۔ ۱۹۹۱ء میں قادیانیوں نے اس مسجد کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا اور اس دوران مسجد کو باقاعدہ قادیانی عبادت گاہ کی شکل دینے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ اب ۱۹۳۰ء نہیں بلکہ ۱۹۹۱ء تھا لہٰذا کچھ پڑھے لکھے نوجوان آگے بڑھے اور قادیانیوں کو عبادت گاہ کے مینار تعمیر کرنے سے روک دیا۔ گاؤں کا ماحول ایک بار پھر کشیدہ ہو گیا۔ لیکن گاؤں کے بزرگ پھر آگے آئے اور فریقین میں مصالحت کرا دی۔ قادیانی کچھ عرصہ خاموش رہے۔ لیکن ۱۹۹۶ء میں انھوں نے اچانک مسجد کی چار دیواری پر ''بیت الحمد'' لکھوا کر اس کے قادیانی عبادت گاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

ذرائع کے مطابق مسلمانوں نے جب اس پر احتجاج کیا تو مالی طور پر بے حد مضبوط مقامی قادیانیوں نے انھیں آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا کہ وہ کون ہوتے ہیں اس مسجد کے معاملات میں مداخلت کرنے والے اوراس کے ساتھ ہی وہاں مسلح قادیانیوں کا پہرا بٹھا کر مسلمانوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ گاؤں میں ایک بار پھر کشیدگی پھیل گئی اور بات مرنے مارنے تک پہنچ گئی۔ چونکہ پیسے کے اعتبار سے قادیانی زیادہ مضبوط تھے۔ علاوہ ازیں ان کی جماعت بھی انھیں مبینہ طور پر مکمل سپورٹ کررہی تھی۔ لہٰذا مسلمان بزرگوں نے خون خرابے سے بچنے کے لیے لڑائی جھگڑے کی بجائے عدالت جانے کا فیصلہ کیا۔ مسلمانوں نے علاقہ مجسٹریٹ الیاس گل کی عدالت میں درخواست دائر کردی کہ تین سو سال پرانی مسجد کو قادیانیوں کے قبضے سے واگزار کرایا جائے۔ اس مقدمے کے مدعی ماسٹر سرفراز، افضل سندھو، محمد نثار، محمد اکرم اور محمد اعظم بنے۔ کمرۂ عدالت سے باہر آتے ہوئے ایک بااثر قادیانی نے مسلمانوں کو دھمکانے کی کوشش کی تو مسلمان لڑکے بپھر گئے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے مجسٹریٹ نے فی الفور مسجد کو سیل کرنے کا حکم دے دیا۔ یوں مذکورہ مسجد ۲۲ ستمبر ۱۹۹۶ء کو سیل کر دی گئی۔ لیکن گاؤں کی صورتحال اس وقت کشیدہ ہونے لگی جب بااثر قادیانیوں نے مقدمہ واپس کے لینے کے لیے مسلمانوں پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ وہ کبھی مسلمانوں کو دھمکیاں دیتے اور کبھی مختلف لالچ۔ تاہم پانچوں مدعی اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ ۲۰۰۱ء میں اسی تنازعے کی وجہ سے کچھ مسلمان لڑکوں کی قادیانیوں سے تلخ کلامی ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے فریقین نے ہتھیار نکال لیے۔ فائرنگ کے تبادلے میں چار مسلمان شہید ہوئے اور چار قادیانی مارے گئے۔ اب گاؤں کی فضا مزید خراب ہوگئی لیکن مقدمے کے مدعی اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ ۲۰۰۸ء میں مقامی سینئر سول جج شہزاد کیانی نے قادیانیوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ مسلمانوں نے اس فیصلے کے خلاف فوری طور پر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج گجرات کی عدالت میں اپیل کردی۔ سیشن جج نے یہ کہہ کر کیس دوبارہ سول عدالت میں ریفر کردیا کہ یہ استقرارِ حق کا کیس ہے، لہٰذا اس کی سماعت سول کورٹ میں ہی ہونی چاہیے۔ اس کیس کا فیصلہ بھی دسمبر ۲۰۱۰ء میں مسلمانوں کے خلاف ہوگیا۔ لیکن مسلمانوں نے حوصلہ ہارنے کی بجائے اس قانونی لڑائی کو جاری رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے فیصلے کے خلاف دوبارہ سیشن کورٹ میں اپیل کردی جس پر سیشن کورٹ کی طرف سے کیس دوبارہ سول عدالت میں ریفر کردیا گیا۔ اس دوران قادیانیوں نے مسلمانوں کو دباؤ میں لانے کے لیے اپنے ہتھکنڈے جاری رکھے۔ مقدمے کے ایک مدعی افضل سندھو کو متعدد بار پیغام بھیجا گیا کہ آپ لوگ مسجد کے رقبے سے دوگنی زمین متبادل جگہ پر لے لیں۔ قادیانی وہاں مسجد بھی تعمیر کرا کے دیں گے لیکن آپ لوگ مقدمے سے دستبردار ہو جائیں۔ علاوہ ازیں مدعیوں کو کیس واپس لینے کے عوض بھاری رقم کی پیش کش بھی کی گئی۔ لیکن انھوں نے کیس واپس لینے سے انکار کردیا۔ اس پر ۲۰۱۰ء میں مقدمے کے ایک مدعی ماسٹر سرفراز شہید کردیے گئے۔ وہ صبح سویرے اسکول جارہے تھے کہ راستے میں

قادیانیوں نے انھیں فائرنگ کرکے شہید کر دیا۔ مقدمے کے ایک مدعی افضل سندھو نے ''امت'' کو بتایا کہ ''ہمارے دوست ماسٹر سرفراز کو صبح آٹھ بجے شہید کیا گیا۔ ان کی نماز جنازہ رات ساڑھے دس بجے ادا کی گئی۔ ساڑھے چودہ گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی ان کا چہرہ بالکل تر و تازہ پھول کی مانند کھلا ہوا تھا اور زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ ان کے جنازے میں اس طرح خلقت اُمڈ کر آئی کہ نماز کے لیے دس کنال رقبے میں صفیں بنانی پڑیں۔ اس منظر کو دیکھ کر ہم باقی بچ جانے والے چاروں دوستوں کا حوصلہ مزید بڑھ گیا۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مسجد کی خاطر اگر ہماری بھی جان چلی جائے تو یہ سودا ہرگز مہنگا نہیں ہے۔'' بالآخر مسلمانوں کی اٹھارہ سال کی جدوجہد رنگ لے آئی۔ مقامی سینئر سول جج قاسم بھٹی نے ۱۷ر ستمبر ۲۰۱۵ء کو مسلمانوں کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے مسجد کھولنے کا حکم جاری کر دیا۔ انھوں نے اپنے فیصلے میں ریمارکس دیتے ہوئے لکھا کہ ''جس جگہ مسجد تعمیر کی جائے وہ جگہ زمین کی تہہ سے لے کر آسمان تک تا قیامت مسجد ہی رہے گی۔ اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا''۔ افضل سندھو کے مطابق بعد ازاں ہفتے کی شام نماز عشاء کے موقع پر مقامی پولیس کی نگرانی میں مسجد کھول کر مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا جہاں اٹھارہ سال کے بعد نماز عشاء کی اذان دینے کی سعادت افضل سندھو کو حاصل ہوئی۔ اس فیصلے سے علاقہ بھر کے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں افضل سندھو نے ''امت'' کو بتایا کہ مذکورہ گاؤں میں اب صرف پچاس قادیانی گھرانے باقی ہیں۔ جبکہ ۳۵ گھرانوں کے تمام افراد گزشتہ چند برس کے دوران اسلام قبول کر چکے ہیں۔

(''مطبوعہ: روزنامہ امت'' کراچی، ۲۱ر ستمبر ۲۰۱۵)

☆......☆......☆

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

29 اکتوبر 2015ء
جمعرات بعد نماز مغرب

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی آخری جمعرات کو بعد نمازِ مغرب مجلسِ ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے

الداعی　سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان　061-4511961

سید ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی اسلام آباد

مضمون نویسی کا پہلا قومی مقابلہ - 2015

First National Essay writing Competition

سید ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی ملکی سطح پر مضمون نویسی (Essay Writing Competition) کے مقابلے کا انعقاد کر رہی ہے اگر آپ بھی مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں تو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی چند کتب کا مطالعہ کیجئے، حاصل مطالعہ کو الفاظ کا جامہ پہنائیے اور لکھیے کسی ایک عنوان پر

عنوانات

1- مسلمانوں کے لیے نظام زندگی اور لائحہ عمل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب دستور حیات کی روشنی میں

☆ نوٹ: مطالعہ / استفادہ کے لیے کتاب "دستور حیات"

2- قوموں کا عروج و زوال مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے افکار کی روشنی میں

☆ نوٹ: مطالعہ / استفادہ کے لیے کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر"

شرائط:

مضمون نویسی (Essay Writing Competition) کے مقابلے میں شرکت کے لیے درج ذیل اصول و قواعد کی پابندی کی ضروری ہے

- ☆ مضمون نویسی (Essay Writing Competition) کے مقابلے میں تمام مرد و خواتین اور طلبہ و طالبات (سکول، کالج، یونیورسٹی اور مدارس) حصہ لے سکتے ہیں۔
- ☆ مضمون / حاصل مطالعہ صرف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب سے استفادہ کر کے سپرد قلم کیجئے۔
- ☆ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتب www.facebook.com/Nadwlacademy سے download کی جا سکتی ہیں۔
- ☆ مضمون / حاصل مطالعہ اردو یا انگلش میں تین سے چار ہزار الفاظ (A4 کے 6 سے 8 صفحات) پر مشتمل ہو۔
- ☆ مضمون علمی و فکری اور تجزیاتی ہونا چاہیے۔
- ☆ ایک صفحے پر اپنے مکمل کوائف (CV) نام، پتہ، تعلیم اور فون نمبر بھی درج کریں۔
- ☆ مضمون / حاصل مطالعہ ارسال کرنے کی آخری تاریخ 15 جنوری 2016 ہے۔

انعامات کی تفصیل:

پہلا انعام ---- پندرہ ہزار روپے

دوسرا انعام ---- دس ہزار روپے

تیسرا انعام ---- سات ہزار روپے

اور حوصلہ افزائی کے دس خصوصی انعامات اسکے علاوہ تمام شرکاء کو مقابلہ میں شرکت کے سرٹیفکیٹ بھی دیے جائیں گے

مزید معلومات اور مضمون ارسال کرنے کے لیے:

سید ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی PoBox No 467 - اسلام آباد

Mobile No: 0336-0666777, 0333-5131062, 0336-05555787, 0343-5420850

www.facebook.com/Nadwlacademy, E-mail: nadwlacademy@gmail.com

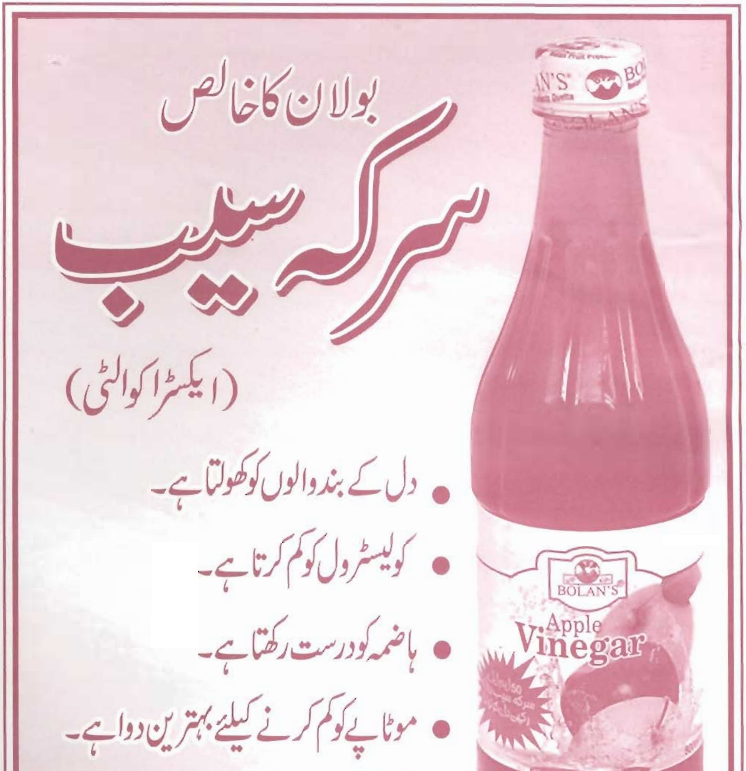
بولان کا خالص
سرکہ سیب
(ایکسٹرا کوالٹی)
• دل کے بند والوں کو کھولتا ہے۔
• کولیسٹرول کو کم کرتا ہے۔
• ہاضمہ کو درست رکھتا ہے۔
• موٹاپے کو کم کرنے کیلئے بہترین دوا ہے۔
گلے کی خراش اور بلغم ختم کر کے جسم کو صحت مند
اور خوبصورت بناتا ہے۔
• رنگت نکھارتا ہے۔
BOLAN'S
Apple
Vinegar
Best Quality Ever
Regd # QA/F/31
BOLAN'S®
Bolan Fruit Products
P.O.Box 285 Quetta
email: bfpq_asif@yahoo.com

تمام مسلمانوں کو اسلامی سالِ نو 1437ھ مبارک

42 ویں سالانہ

مجلسِ ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ

بیاد

سبطِ رسول، پورِ بتول، مظلومِ کربلا، قتیلِ سازشِ ابن سبا

سیدنا حسین ابن علی سلام اللہ علیہم

دارِ بنی ھاشم مہربان کالونی ملتان

10 محرم 1437ھ 11 بجے دن تا نمازِ عصر

بانی: ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بارگاہِ حسینی میں
ہدیہ عقیدت و محبت
تاریخ و سیرت
کی روشنی میں
تذکار و افکارِ حسین رضی اللہ عنہ
اور حقیقت حادثہ کربلا
بیان کریں گے

خصوصی خطاب

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
آلِ نبی، اولادِ علی

سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

منظوم خراجِ عقیدت • حافظ محمد اکرم احرار • شیخ حسین اختر لدھیانوی

شعبہ نشر و اشاعت — تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبہ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان